تخلیقِ پاکستان

میں

علمائے اہلِ سنّت کا کردار

مصنّف

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت
مردِ مؤمن مردِ حق حضرت علّامہ
سیّد شاہ تراب الحق رحمۃ اللہ علیہ
قادری نوری جیلانی

حواشی

مفتی عطاء اللہ نعیمی

عزمِ نو
پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: تخلیقِ پاکستان
میں
عُلمائے اَہلِ سُنت کا کردار

مصنف: پیرِ طریقت رہبرِ شریعت مردِ مومن مردِ حق حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق رحمۃ اللہ علیہ قادری نوری جیلانی

حواشی: مُفتی عطاء اللہ نعیمی

صفحات: ۱۶۰

سنِ اشاعت: مارچ ۲۰۲۶ء بمطابق شوّال المکرّم ۱۴۴۷ ہجری

ناشر: عزمِ نو پبلشرز
پلاٹ نمبر 1196-1197 سیکٹر E/32 ناصر کالونی عقب مٹھاس سوئٹس کراچی
0328-2965268

الْمَکْتَبَۃُ النِّظَامِیَّۃ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور
0346-8115309
0300-5893316

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ملک بھر میں ہول سیل ریٹ پر آن لائن حاصل کرنے اور
دیگر کثیر کتب پر ڈسکاؤنٹ پانے کے لیے الکافی بک سرکل کو
جوائن کیجیے: 0315-2421854

ملنے کے پتے

- مدرسہ انوارُ القرآن، مسجد کنز الایمان، آئی ٹن ون، اسلام آباد
- انوارُ القرآن، میمن مسجد، مصلح الدین گارڈن، کراچی
- مکتبہ حماد، نزد فیضانِ مدینہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	تقدیم	7
۲	سخن ہائے گفتنی	21
۳	تخلیقِ پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار	23
۴	پاکستان کیوں بنا؟	23
۵	دین بمعنی قانون	24
۶	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ	24
۷	جناح صاحب سے سوال کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا؟	27
۸	ٹیپو سلطان	28
۹	علامہ فضل حق خیر آبادی	31
۱۰	علامہ فضل حق کا فتویٰ جہاد	32
۱۱	اعلیٰ حضرت اور جنگِ آزادی	34
۱۲	مولانا نقی علی خان اور جنگِ آزادی	34
۱۳	مولانا رضا علی خان اور جنگِ آزادی	35
۱۴	انگریز کی مکارانہ چال	36
۱۵	علامہ فضل امام خیر آبادی	38
۱۶	مرزا غالب اور رد وہابیت	39
۱۷	مسئلہ امتناع النظیر	40
۱۸	سید احمد رائے بریلوی کا انگریز کی حمایت کرنا	42
۱۹	مولوی اسماعیل دہلوی	42

۲۰	اسماعیل دہلوی انگریز کے مفاد کے لیے کام کرتا تھا	42
۲۱	مولوی رشید گنگوہی	47
۲۲	گنگوہی اور ان کے ہم خیال علماء کا انگریز کے مفاد میں کام کرنا	47
۲۳	گنگوہی صاحب انگریز کے وفادار تھے	48
۲۴	تذکرۃ الرشید	50
۲۵	جنگ آزادی اور اہلحدیث	52
۲۶	مجاہد اعظم سید کفایت علی کافی اور جنگِ آزادی	52
۲۷	مولانا عبد الجلیل شہید علی گڑھی اور جنگِ آزادی	54
۲۸	مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی شہید اور جنگِ آزادی	54
۲۹	مفتی صدر الدین آزردہ	55
۳۰	مولانا محمد علی جوہر	56
۳۱	مولانا شوکت علی	58
۳۲	مولانا عبد الباری فرنگی محلی	60
۳۳	مولانا ابو الکلام آزاد	65
۳۴	۱۸۹۷ء میں اعلیٰ حضرت نے دو قومی نظریہ پیش کیا	68
۳۵	علی بردران امام احمد رضا کی بارگاہ میں	70
۳۶	امام اہلسنت دو قومی نظریہ کی اشاعت میں اقبال پر مقدم ہیں	71
۳۷	آل انڈیا سنی کانفرنس کی تاسیس	73
۳۸	گروہ قادیان کی کارگزاریاں	76
۳۹	اخبار دبدبہ سکندری رامپور	79
۴۰	۱۹۴۶ء کی سنی کانفرنس بنارس کا تاریخی فیصلہ	80

۴۱	محدث کچھوچھوی	80
۴۲	امیر ملت سید جماعت علی شاہ	81
۴۳	سنی کانفرنس	84
۴۴	مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی کا فتویٰ	91
۴۵	ڈاکٹر اقبال کا جواب	91
۴۶	اہلسنت کا نظریہ	92
۴۷	حسین احمد مدنی اور ظفر علی خان	92
۴۸	گاندھی کے مولانا	92
۴۹	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا تعارف	93
۵۰	پاکستان اور پاکستان بنانے والوں کے نام مغلظات	99
۵۱	تاریخی بددیانتی	104
۵۲	مفتی محمود اور پاکستان	105
۵۳	محمد علی جناح اور علمائے اہلسنت	107
۵۴	مجاہد ملت عبدالحامد بدایونی	108
۵۵	دیگر ممالک میں نظریہ پاکستان کا تعارف	112
۵۶	سفیر اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی	113
۵۷	۱۹۴۶ء بنارس سنی کانفرنس اور علماء و مشائخ	115
۵۸	جنگ آزادی و قیام پاکستان اور شیعہ حضرات	116
۵۹	جنگ آزادی و قیام پاکستان اور سنی علماء	
	علامہ ابوالبرکات	118
۶۰	علامہ ابوالحسنات	119

۶۱	خواجہ قمرالدین سیالوی	120
۶۲	صدرالافاضل	121
۶۳	مفتی اعظم ہند	123
۶۴	صدرالشریعہ	125
۶۵	مفتی برہان الحق	126
۶۶	مفتی اعظم سرحد	127
۶۷	پیر آف مانکی شریف	129
۶۸	شیخ القرآن	130
۶۹	پیر آف زکوڑی شریف	132
۷۰	مولانا عبدالستار نیازی	134
۷۱	اعتراف حقیقت	136
۷۲	مولانا مودودی	138
۷۳	جو کل مخالف تھے	142
۷۴	دو چار کے علاوہ باقی دیوبندی علماء؟	144
۷۵	کلمات طیبات	145
۷۶	فتاویٰ	148
۷۷	کیا پاکستان بنانا معاشی مسئلہ تھا؟	151
۷۸	جناح صاحب سیکولرزم کے حامی نہیں تھے	152
۷۹	محمد علی جناح اور نفاذِ شریعت کا عزم	152
۸۰	دروغ گوئی	155

تقدیم

ہم اپنے اکابر کا ذکر اتنی شد و مد سے اس لیے کرتے ہیں کہ بقولِ اقبال تاریخ کسی قوم کا حافظہ ہوتی ہے، یعنی جس طرح کوئی شخص اگر اپنی یادداشت کھو بیٹھے تو گویا وہ اپنی شناخت کھو بیٹھتا ہے، اسی طرح جو قوم اپنی تاریخ گنوادے وہ اپنا تشخص گنوادیتی ہے، لہٰذا ہمیں تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے اکابر کا ذکر کرنا پڑتا ہے خصوصاً اُن اکابر کا ذکر جنہوں نے مسلمانوں کو اکبری الحادیا نصاریٰ کے جبر واستبداد کے زمانے میں اپنا تشخص برقرار رکھنے، پھر اہلِ ہند کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً نصاری کی غلامی سے نجات دلانے اور پھر مسلمانانِ ہند کو الگ وطن دلانے کے لیے سعی کی، جانی ومالی قربانیاں دیں، اس راہ میں تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کیں، میری مراد حضرت مجددالف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سلطان ٹیپو شہید، علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ عنایت کاکوروی، امام اہلسنت امام احمد رضا، سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، مولانا عبدالعلیم صدیقی، پیر آف مانکی شریف، پیر سید جماعت علی شاہ، مولانا عبدالستار خان نیازی، ڈاکٹر اقبال وغیرہم ہیں، یہ تاریخ ساز نام اور قد آور شخصیات ہیں، ان لوگوں نے مسلمانانِ برصغیر کو خوابِ غفلت سے جگانے اور ان کے اندر ایک فعال روح پیدا کرنے کے لیے اپنے شب وروز صرف کردیئے اور مسلمانوں میں ایک ایسا پائیدار نصب العین متعیّن کیا جو حق پر مبنی اور سچائی کا آئینہ دار تھا، جو مسلمانوں کی دنیوی واخروی فلاح کا ضامن تھا، جو بعد میں دو قومی نظریہ کی صورت میں مشہور اور مقبول ہوا اور پھر اس نظریہ کی جس طرح وضاحت

ہوتی چلی گئی، اسی طرح مسلمانوں میں علیحدہ وطن کی اُمنگ پروان چڑھتی گئی۔[1] پھر اگر برصغیر میں مسلمانوں کی آمد اور ان کے عروج و زوال کی تاریخ پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس خطے میں دو قومی نظریہ کی ابتداء مغلیہ شہنشاہ اکبر کے دور میں ہوئی، جب اکبر نے ہندوستان کی ہندو رعایا کو حکمران طبقہ سے قریب لانے کی غرض سے دینِ محمدی ﷺ میں ترمیم اور تنسیخ کرنے کی مذموم حرکت کی اور اس کا نام بدل کر دینِ الٰہی رکھ دیا تو اس وقت اسلام کے عظیم مجدد، مسلک اہلسنت اور حنفی مذہب کے ایک بڑے عالم، تصوف کے امام حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی نے اکبر کی اس ملحدانہ جرأت کو چیلنج کیا اور مسلمانوں کی ملّی حیثیت کو ببانگ دہل مشتہر کیا، آپ نے فرمایا کہ اس برصغیر میں دو قومیں آباد ہیں، جو اپنے نظریات، دینی و ثقافتی روایات کی بنا پر ایک دوسرے کی ضد ہیں، اس لیے یہ کسی صورت میں ممکن نہیں کہ برصغیر میں ایک قومیت کی بات کی جائے اور مشہور سیاح ابوریحان البیرونی نے بھی اپنے سفر نامے میں بڑے واضح الفاظ میں یہ بات کہی ہے کہ برصغیر میں دو ایسے گروہ آباد ہیں جن کا مذہب، سیاست اور ثقافت، ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں، لیکن ایک سیاح ہونے کی حیثیت سے البیرونی کی اس نشاندہی کو ایک مسافر کا مشاہدہ تو کہہ سکتے ہیں مگر اسے کسی نظریہ کی بنیاد قرار نہیں دے سکتے، جبکہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف سے یہ بات ہر طرح ثابت ہے کہ دو گروہوں کا تذکرہ آپ کی تحریروں میں ضمنی طور پر نہیں آیا بلکہ آپ شعوری طور پر مسلمانوں کی انفرادیت اور علیحدہ قومیت پر نہ صرف

[1]... قائداعظم کے ۷۲ سال، مؤلفہ خواجہ رضی حیدر

ایمان رکھتے تھے بلکہ ایک مضبوط تحریک کی صورت میں اسے فروغ دے رہے تھے۔[2]

اور اس مشن میں آپ کی اولاد، آپ کے خلفاء سب آپ کے ساتھ شریک رہے اور آپ کے وصال کے بعد اس مشن کو یہ لوگ آگے بڑھاتے رہے، جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور یہ نظریہ لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوتا چلا گیا اور وہ اس تحریک کا حصہ بنتے چلے گئے، اسی طرح ہر دور میں مسلمان علماء، فضلاء، ادباء، شعراء، مفکر، محقق، صاحبانِ طریقت و شریعت اور دانشور اس تحریک میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے، جن میں حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، فضل امام خیر آبادی، عظیم مجاہدِ اسلام علمی دنیا کے رشک آفتاب شعریٰ ستارے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی صدرالدین آزدہ، علامہ کفایت علی کافی شہید، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مولانا رضی الدین بدایونی، سید وہاج الدین مراد آبادی، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مفتی سعید احمد بدایونی، مولوی اشرف علی نفیس، شہداء اسلام میں سے ایک عظیم شہید ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام اور آزادی کے لیے ۱۸۵۷ء یا اس سے قبل قربانیاں دیں، ”صرف ۱۸۵۷ء میں پھانسی پانے والے اور جلاوطن کیے جانے والے افراد کے متعلق جو اعداد و شمار بیان کئے گئے ہیں اس کے مطابق پانچ لاکھ مسلمانوں کو سزائے موت دی گئی اور تین ہزار مسلمانوں کو جزیرہ انڈمان لے کر جا کر نظر بند کیا گیا۔[3]

---

[2] ... قائداعظم کے ۷۲ سال، عنوان مزید تفصیل، مؤلفہ خواجہ رضی حیدر

[3] ... مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ قربانیوں کا جائزہ، مرتبہ عزیز الرحمن جامعی مطبوعہ دہلی، ص۹

محمد شکیل اوج لکھتے ہیں: اگر چہ اس بیان میں یہ متعیّن نہیں کیا گیا کہ سزا یافتہ افراد میں علمائے کرام کی تعداد کیا تھی، تاہم قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ ان میں علماء کی بھی بڑی تعداد ضرور ہوگی۔[4]

پھر حسن اسلام، پاسبان مسلک اہلسنت، مؤید مذہب حنفی، علمی و روحانی دنیا کے درخشاں ستارے، امام اہلسنت، امام احمد رضا شامل تھے، پھر ان حضرات کی سعی و کوشش کے نتیجے میں اتنی بڑی جماعت پیدا ہوئی کہ جن کے صرف اسماء کو ہی تحریر کرنے کے لیے یہ چند صفحات ناکافی ہیں۔

اس ملک کے حصول کی بنیاد دو قومی نظریہ تھا جس کی حضرت مجد دالف ثانی نے اور پھر امام اہلسنت امام احمد رضا قدس سرہما نے اپنے اپنے دور میں اشاعت کی، دونوں بزرگوں کے ادوار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ادوار میں تخریب دین کا کام علماء سوء نے کیا جن کو حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی یا حکمرانوں نے کیا اُن کو علماء سوء کی معاونت حاصل تھی۔ چنانچہ عبدالحکیم خان شاہجہاں پوری لکھتے ہیں: "امام ربانی حضرت مجد دالف ثانی قدس سرہ کے دور میں دو طبقے تخریبِ دین کا کام کرنے میں پیش پیش تھے، یعنی حکومت اور نام نہاد مذہبی رہنما، بعینہ اسی صورت حال سے امام احمد رضا خان بریلوی نور اللہ مرقدہ کو دوچار ہونا پڑا، وہاں اکبر اور جہانگیر تھے تو یہاں دشمنِ اسلام انگریز۔ وہ حکومت علی الاعلان اسلام کو بدلنے اور مٹانے پر مُصِر تھی لیکن انگریزی حکومت نامعلوم اور پراسرار طریقوں سے اس وقت کے فیض و فضل سے محروم علماء جو دین محمدی کی جڑیں کھودنے میں مصروف تھے، وہ صاف نظر آتے

---

[4]... ضیاء حرم، لاہور، مجریہ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ/اگست ۱۹۹۷ء

تھے کہ اسلام دشمن حکومت کے اراکینِ سلطنت ہیں، لہٰذا عوام الناس انہیں اپنا رہنما تسلیم کرنے پر کبھی راضی نہیں ہوسکتے تھے لیکن برطانوی دور کے علمائے سوء نے ایسے نامعلوم طریقوں سے برٹش گورنمنٹ کے اسلام دشمنی والے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی منحوس کوشش کی کہ ملّتِ اسلامیہ کے کتنے ہی بیدار مغز حضرات تک کی قوتِ فیصلہ اُن کے کھوٹ کا سراغ لگانے سے قاصر ہوکر رہ گئی۔[5]

برصغیر میں انگریزوں کے خلاف جب تحریکِ ترکِ موالات شروع ہوئی تو دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے ملّی تشخص کو ختم کرنے کے لیے ہندو مسلم اتحاد کا ڈھونگ رچایا، ایک قومی نظریہ کا پرچار کیا تو امام اہلسنت امام احمد رضا نے دشمن کی اس سازش کو بھانپا اور دو قومی نظریہ کا تصور مسلمانانِ ہند کے سامنے پیش کیا کہ ہندوستان میں ایک نہیں دو الگ الگ قومیں آباد ہیں اور یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ امام اہلسنت نے ۱۸۹۷ء میں دو قومی نظریہ پیش کیا، حدیث شریف میں ہے: "اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله" اس فراست ایمانی کی بدولت اہلسنت کے عظیم رہنما نے ۱۸۹۷ء میں پٹنہ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں اور بعد میں ۱۹۲۰ء میں ایک سوال کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہی دو قومی نظریہ کی بنیاد بنا، آپ نے مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریزوں کے فریب سے بر وقت آگاہ کیا، یہ وہ نازک دور تھا کہ بڑے بڑے لیڈر گاندھی کی آندھی کا شکار ہو چکے تھے حتیٰ کہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، ڈاکٹر اقبال اور جناح صاحب بھی ہندو مسلم اتحاد کی مضرت کو نہ سمجھ سکے تھے۔

---

[5] ... برطانوی مظالم کی کہانی ص ۲۶

کتنی دکھ کی بات ہے کہ تحریکِ آزادی اور تحریکِ پاکستان کی تاریخ مرتب کرنے والے اور بددیانت مؤرخوں نے اُن فرزندانِ توحید اور مردانِ حق کی بے مثال قربانیوں کو زینت طاقِ نسیان بنادیا۔ جنہوں نے راہِ حق میں بے پناہ مظالم برداشت کیے، جام شہادت نوش کیا، اس کے برعکس انگریز کے وظیفہ خوروں اور اسلام کے غداروں کو جنگ آزادی کا ہیرو بناکر پیش کر دیا۔ اکابر سنی علماء فرنگی سامراج سے ٹکرائے، اسلام کے تحفظ کے لیے جان کی بازی لگاکر شمع حریّت کو ابدی تابانی بخشی اور انگریز کے خلاف سب سے پہلے تحریک آزادی کا سنگ بنیاد رکھا جو تاریخ میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نام سے مشہور ہے، جنگ آزادی سے متعلق تاریخ کی مروجہ کتب میں اسلام کے ان جلیل القدر سپوتوں کا کوئی ذکر نہیں، آزادی کی یہ جنگ سنی علماء و مشائخ کے جذبۂ اسلامی اور خدمت دینی کا روشن باب ہے، بعد میں رونما ہونے والی تمام تحاریک اسی تحریک آزادی کے سلسلہ کی کڑیاں اور جذبہ حریت کے اس عظیم مینار کی کرنیں ہیں۔ فرنگی سامراج کے خلاف سنی علماء و مشائخ کی یہ تحریک غیر منظم ہونے کی وجہ سے کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی، انگریز نے بظاہر تحریک آزادی کو کچل دیا مگر وہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ حریت کو نہ نکال سکے۔

تعصب کی بنا پر سنی علماء کو ویسے بہت کچھ کہا جاتا ہے مثلاً بدعتی، قبر کے پجاری، میلاد خوان وغیرہ اس سے بڑھ کر انگریز کا ایجنٹ اور وفادار تک کہہ دیا حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ سنی علماء نے ہی انگریز کی مخالفت میں پہل کی، یہاں تک کہ مشہور نقاد صوفی شوکت صدیقی بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام کہ وہ انگریزوں کے پروردہ یا انگریز پرست تھے نہایت گمراہ کن اور شر انگیز ہے، وہ انگریزوں اور ان کی حکومت کے کٹر دشمن تھے کہ لفافہ پر

ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے تھے اور فرماتے کہ میں نے جارج پنجم کو الٹا کر دیا، انہوں نے انگریز کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا، مشہور ہے کہ مولانا احمد رضا خان نے کبھی عدالت میں حاضری نہ دی اور یہ کہہ کر نہ دی کہ میں انگریز حکومت کو ہی جب تسلیم نہیں کرتا تو اس کے عدل و انصاف اور عدالت کو کیسے تسلیم کروں۔

ایسی ہی جرأت و بہادری کا مظاہرہ فخرِ اہلسنت، تحریک پاکستان کے سرگرم رکن حضرت پیر غلام مجدد سرہندی میاری والے (م ۱۳۷۷ھ) نے فرمایا، چنانچہ محمد صادق قصوری اور دیگر نے لکھا کہ آپ کو ۷ ستمبر ۱۹۲۱ء کو حیدر آباد سے گرفتار کیا گیا اور اسپیشل ٹرین کے ذریعے کراچی لایا گیا، گرفتاری کے بعد والدہ ماجدہ نے بڑا جرأت انگیز اور ایمان افروز پیغام ارسال فرمایا: ''اگر تمھارا عقیدہ سچا ہے تو ہرگز ان سے معافی نہ مانگنا جو تمھارے عقائد کے خلاف ہیں اور اگر معافی مانگی تو اپنا منہ ہم کو نہ دکھلانا''۔ اس کیس کی کاروائی میں دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں اور ہماری نئی نسل کے لیے خضرِ راہ ہیں، آپ نے فرمایا: قید میرا ورثہ ہے کیونکہ میں تو غلام مجدد اور اولاد حضرت مجدد الف ثانی ہوں جن کو جہانگیر نے قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا تھا۔ پھر ارشاد فرمایا: کاش مجھ پر آج یہ مقدمہ ہوتا کہ میں نے انگریز بادشاہ جارج پنجم کو قتل کیا ہے اور اس کے خون سے میرے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح انگریز جیلر کو تھپڑ مارنے کا واقعہ اسی طرح انگریز کلکٹر مسٹر پیسن (جو بعد میں چیف کمشنر بنا) کے شربت پیش کرنے پر یہ کہتے ہوئے شربت پینے سے انکار کر دینا کہ اگر اس گلاس میں شربت کی جگہ تمھارا خون ہوتا تو میں پی جاتا، اس لیے

کہ تم ہمارے ترک بھائیوں کا خون بہارہے ہو۔[6]

یہ سارے واقعات ہمارے اسلاف کی انگریز سے نفرت کی شدّت پر دلالت کرتے ہیں۔

امامِ اہلسنت نے ۱۳۱۸ھ/۱۸۹۷ء میں پٹنہ کے عظیم الشان اجتماع میں انگریزوں کے بہی خواہوں کی زبردست مذمّت کی کہ" ہندو الگ قوم ہے اور مسلمان الگ قوم، مسلمانو! سرکارِاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ کفر ایک ملت ہے" یعنی کفر برطانیہ کا ہو یاامریکہ کا ہو یا چاہے کفر ہندوستان کا ہو وہ کفر ہی ہے، کفر ایک ملت ہے، مسلمانو!تم یہ سمجھے ہم نے ہندوستان کے کافروں سے صلح کر کے لندن کے کفر کو بھگادیا ہے اور ہندو تمہیں حکومت دیں گے؟ نہیں نہیں!! گاندھی اور اس کی لابی بھی یہی چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو ساتھ ملا کر انگریزوں کو بھگادیا جائے اور اکثریت میں تو ہندو ہیں، یہ تمام ہندو سیاست پر چھا جائیں گے اور اس طرح ہندوستان پر ہماری حکومت ہو جائے گی اور مسلمانوں کو دوبارہ کچل دیا جائے گا۔[7] امام اہلسنت نے ایسے وقت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی جس وقت مسلمانوں کے نامی گرامی لیڈر ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے اور اُن کی تمام کوششیں بھی اس قسم کے اتحاد کیلیے وقف تھیں، مسلم قومیت کے علمبردار کی اخلاص سے بھرپور مدد بھری رہنمائی ہی تھی، ان میں سے سنی حضرات آپ کی اور آپ کے تلامذہ وخلفاء کی کوششوں سے دوقومی نظریہ کے حامی اور مؤید بن گئے۔

نامور صحافی اور تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن جناب محمد شفیع نے اس تاریخی حقیقت کا برملا اظہار کرتے ہوئے امام اہلسنت کو یوں خراج عقیدت پیش کیا:"اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے

---

[6] ... ملخصاً تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ص ۱۲۵،۱۲۶

[7] ... تحریک آزادی ہند اور مشائخ وعلماء کا کردار، ص ۱۲

جس یک سوئی اور استقلال سے دور غلامی میں دین متین کی مدافعت کا مقدس فریضہ سرانجام دیا، جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس کا اعتراف امت کے تمام طبقوں کو ہوتا جائے گا جس وقت ہمارے اسلاف کی بداعمالیوں سے سلطنت ہمارے ہاتھ سے چھن گئی تھی اور جس دور میں سب سے اہم کام اس کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا کہ ملت کے اجماع کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا جائے، اُن کے عقائد کو بچ ہونے سے محفوظ رکھا جائے، اور ہر اس سازش کو کچل کر رکھ دیا جائے جس کا مقصد مسلمانوں کے دلوں میں محمد ﷺ کی غیر فانی محبت کا رشتہ مٹاکر غیر اسلامی عقائد کی تخم ریزی تھی، یہ کارنامہ اعلیٰ حضرت نے نہایت نامساعد حالات میں انجام دیا، اس لحاظ سے اعلیٰ حضرت ملّتِ اسلام کے عظیم محسن تھے۔[8]

علیحدہ مملکت کا مفصل اور واضح خاکہ سب سے پہلے ۱۹۲۰ء میں اہلسنت و جماعت کے فاضل عالم محمد عبدالقدیر بدایونی نے مسٹر گاندھی کے نام ایک خط میں پیش کیا تھا، یہ مفصل و مبسوط خط اخبار " ذوالقرنین (بدایوں بھارت) میں مارچ واپریل ۱۹۲۰ء میں قسط وار شائع ہوا، اس کے بعد رسالہ کی صورت میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پریس سے شائع ہوا۔[9]

اور اس خط کا ذکر پاکستان کے مشہور مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی انگریزی کتاب "دی اسٹرگل فار پاکستان" میں ذکر کیا ہے۔

اب ایک غیر جانبدار مشہور مؤرخ اور کالم نگار جناب میاں عبدالرشید صاحب کا بیان دیکھیے جو خصوصی توجہ کا مستحق ہے چنانچہ لکھتے ہیں: "۱۹۴۰ء میں جب قرار داد پاکستان منظور ہوئی تو

---

8 بحوالہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۷ جون ۱۹٦۸ء۔ پاکستان بنانے والے علماء ومشائخ، ص ۲۳، ۲۴

9 تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، تقدیم از سید انور علی ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان، ص ۳۵-۳٦

حضرت بریلوی کی کوششیں بارآور ہوئیں اور علمائے کرام اور پیران عظام سمیت آپ کے پیروکار اور متوسلین جسد واحد بن کر تحریک پاکستان کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے، اس طرح قیامِ پاکستان کے سلسلہ میں حضرت بریلوی کا حصہ علامہ اقبال اور قائداعظم سے کسی طرح کم نہیں"۔[10]

جب کہ سید انور علی ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان نے سنی عالم علامہ عبد القدیر بدایونی کے گاندھی کو لکھے گئے خط کا ذکر کرنے کے بعد لکھا "اس حقیقت کے پیش نظر کہ پاکستان کا مفصل خاکہ ۱۹۲۵ء میں جناب محمد عبد القدیر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا، یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصور پاکستان علامہ اقبال نہیں بلکہ موصوف تھے۔ علامہ اقبال نے پانچ برس بعد ۱۹۳۰ء میں آپ ہی سے روشنی حاصل کر کے سیاسی پلیٹ فارم سے یہ تصور پیش کیا، اس حقیقت کا اعتراف ہر انصاف پسند کو کرنا چاہیے"۔[11]

اور امام اہلسنت کے افکار و نظریات کی مسلم لیڈران پر اثراندازی کو ڈاکٹر محمد مسعود نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ پاک و ہند کے عظیم مفکر اور شاعر اسلام علامہ اقبال جو پہلے ایک قومی نظریہ کے مؤید تھے اور بعد میں اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کا عمیق مطالعہ فرمایا تھا، اس لیے ظن غالب ہے کہ علامہ کے افکار و خیالات میں ان دونوں مآخذ نے ایک انقلاب پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔[12]

---

10 ... پاکستان بنانے والے علماء و مشائخ، مصنفہ مولانا محمد جلال الدین قادری، ص ۲۴

11 ... تقدیم تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۳۶

12 ... فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۲۹

سید انور علی ایڈووکیٹ سپریم آف پاکستان لکھتے ہیں: "علمائے اہلسنت نے نہ صرف نظریہ پاکستان پیش کیا بلکہ سب سے پہلے مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے ۱۹۲۵ء میں مراد آباد میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کی بنیاد رکھی۔[13]

اس پس منظر کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی اور یہ تاریخی حقیقت کھل کر سامنے آگئی سرزمینِ ہند پر حضرت مجدد الف ثانی کے بعد دو قومی نظریہ علماء و مشائخِ اہلسنت و جماعت نے خصوصاً امامِ اہلسنت امام احمد رضا اور ان کے خلفاء و تلامذہ نے پیش کیا، یہی نظریہ قیامِ پاکستان کی اساس بنا، دیکھیے ڈاکٹر اقبال تو قیامِ پاکستان کا مطالبہ ۱۹۳۰ء میں کرتے ہیں لیکن اس سے پانچ چھ سال قبل ۱۹۲۵ء کے اوائل میں اس ضرورت کا احساس آل انڈیا سنی کانفرنس، مراد آباد کے اجلاس میں علماء و مشائخِ اہلسنت نے دلایا۔

مگر ہوا یہ کہ ان میں سے اکثر کے نام اور کام کو محفوظ کرنے کا بندوبست نہ کیا گیا، اس لیے آج مسلمانانِ ہندوپاک کی اکثریت ان کے ناموں سے بھی واقف نہیں اور بعض کو متعصب و خائن تاریخ لکھنے والوں نے قصداً افراموش کر دیا اور ستم ظریفی یہ کہ کل جو لوگ صلح کلی کے قائل تھے، آج ان کو دو قومی نظریہ کا علمبردار قرار دے دیا گیا، جو انگریز کے خیر خواہ اور ان کے ایجنٹ تھے اُن کو تحریک آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کر دیا گیا اور جو کانگریس کے حامی، گاندھی اور نہرو کے خیر خواہ تھے اور پاکستان اور قیام پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے مخالف تھے، انہیں اُن کا نام پاکستان بنانے والوں اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے والوں، قربانیاں دینے

---

13 تقدیم ص ۳۶

والوں کی فہرست میں شامل کر دیا گیا اور آج کا جوان جو تاریخی حقیقت سے بے خبر اور تاریخ لکھنے والوں کی بد دیانتی سے نا آشنا ہے وہ ان ہی صلح کلی کے حامیوں کو دو قومی نظریے کے علمبردار، انگریز کے ایجنٹوں اور مسلمانوں سے جنگیں لڑنے والوں کو آزادی کا ہیرو اور مخالفینِ پاکستان کو بانیانِ پاکستان سمجھنے لگ گیا۔

ہاں ہم اپنے قصور کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے بھی اس معاملہ کو سنجیدگی سے نہیں لیا، ہم نے بھی اپنی قوم کو حقائق سے آگاہ کرنے کی کوشش نہیں کی، ہمارے بچے نصاب میں تاریخ کے حوالے سے جھوٹ پڑھتے رہے، ہم نے ان کو کبھی سچ بتانے کی کوشش نہ کی، لوگ جشنِ آزادی کے نام پر خدا اور رسول کی ناراضگی کا باقاعدہ اہتمام کرتے رہے، ہم نے انہیں اپنے رہنماؤں کی قربانیاں یاد نہ دلائیں، ان کے نام نہ بتائے، ان کے کارنامے نہ سنائے، ہمارے خطیبوں نے ممبروں پر بیٹھ کر آزادی کے لیے سعی کرنے والوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی جیسی سعی کرنی چاہیے تھی ویسی نہ کی، ہاں ہاں ہم اعتراف کرتے ہیں ہم بھی قصور وار ہیں، کوتاہی ہم سے بھی ہوئی، سستی ہم نے بھی کی ہے اور اس سستی، کوتاہی کا جو نتیجہ برآمد ہوا وہ سب کے سامنے ہے کہ کل جو دشمنانِ پاکستان اور وفادارانِ انگریز و کانگریس تھے آج جزوی طور پر ہم پر حاکم بنے ہوئے ہیں اور کلی طور پر حاکم بننے اور ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کا خواب دیکھ رہے ہیں، صرف خواب ہی نہیں بلکہ عملی طور پر جد و جہد میں مصروف ہیں اور ہم ہیں جو اپنی اکثریت پر نازاں خوابِ غفلت میں مستاں ہیں کہ ہم اکثریت ہیں اور اس پر خوش ہیں کہ ہم پاکستان کے بانی ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ جس رفتار سے اور جس انداز سے نوجوانوں کے عقائد کو برباد کیا جا رہا ہے، اگر یہ سلسلہ مزید جاری رہا اور ہم سوئے رہے تو یہ اکثریت اقلیت میں

بدل جائے گی اور جس طرح تاریخ کو بدل دیا گیا، دشمنانِ پاکستان کو بانیانِ پاکستان کے روپ میں پیش کر دیا گیا ہے، اگر تاریخ دانوں کی بد دیانتی جاری رہی اور ہم نے نوجوان نسل کو تاریخی حقائق سے آگاہ نہ کیا اور ہم غافل رہے، مصلحت پسندی کا شکار رہے تو قوم ہمیں مخالفینِ پاکستان سمجھنے لگ جائے گی اور ہمارے اسلاف کو جنھوں نے آزادی اور قیامِ پاکستان کے لیے اپنے تن من دھن الغرض ہر قسم کی قربانی دی، اپنے جملہ مساعی صَرف کیے، اُن کو غدارانِ قوم اور دشمنانِ اسلام و پاکستان کہنے لگ جائے گی، اب بھی وقت ہے اگر ہمیں اپنے تشخص کو برقرار رکھنا ہے تو جاگنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ دارین کی سعادتیں عطا فرمائے اُن علماء و مؤرخین کو جو وقتاً فوقتاً تقریراً اور تحریراً ہمارے ان بزرگوں کا تذکرہ کرتے رہے ہیں جن کے مساعی آزادی کا سبب بنے، جن کی قربانیوں نے ہمیں غلامی سے نجات دلائی اور جو پاکستان کے حقیقی بانی ہیں، ان علماء میں ایک نام عوام اہلسنت کی ہر دلعزیز شخصیت، عوام و خواص اہلسنت کا درد رکھنے اور اسے محسوس کرنے والی ذات، اپنے شب روز مسلک و مذہب کے افکار کی ترویج، اشاعت اور عمل کی تلقین کرنے والی ہستی ہے، میری مراد پیر طریقت رہبر شریعت سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنھوں نے اس بے حسی اور نفسانفسی کے اس دور میں آج کے نوجوانوں اور حقائق سے بے خبر لوگوں کو سچ اور حق سے آگاہ کرنے کی سعی کی عوام و خواص جو حقیقت سے ناآشنا ہیں انہیں بتایا کہ آزادی اور قیامِ پاکستان کے حامی کون لوگ تھے، اس کے لیے جدوجہد کن لوگوں نے کی اور کون انگریزوں کے یار اور قوم کے غدار، ہندوؤں کے طرفدار اور قیامِ پاکستان کے مخالف تھے، کون انگریز کے وفادار اور اس کے مفادات کے حصول کے لیے کوشاں رہے اور پھر

ہندوؤں کے خیر خواہ بن کر کانگریس میں شامل ہو کر یا دیگر تحاریک کے ذریعے ہندوؤں کے لیے کام کرتے رہے اور آزادیِ ہند اور قیامِ پاکستان اس جدوجہد کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے اور پھر قیامِ پاکستان کے بعد اس کے حامی وبانی کہلانے لگے۔ فقط

احقر محمد عطاء اللہ نعیمی عفی عنہ

سخن ہائے گفتنی

اصل میں یہ حضرت کی ایک نشری تقریر تھی جسے آپ کے ایک مرید، متعلمِ علومِ دینیہ محترم جناب عبدالرحمٰن قادری نے اسے لکھا اور حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا، حضرت کی تصحیح کے بعد اسے ترجمانِ اہلسنت ماہنامہ "مصلح الدین" میں تین اقساط میں شائع کیا گیا اور اب اسے دوبارہ تصحیح اور اضافے کے بعد ایک رسالے کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے اور مجھے اس کی تقدیم اور حواشی کی ذمہ داری سونپ دی گئی، میں کماحقہ تو نہ نبھا سکا اس کی چند وجوہات تھیں جیسے ایک مناسب مواد کا نہ ہونا اور پھر جو ملا وہ بھی تاخیر سے ملا، پھر وقت نہ ملنا، اشاعت کی تاریخ کا بالکل قریب ہونا اور سب سے بڑی وجہ وہ یہ کہ میں لکھنے کا اہل نہ تھا یہ تو احباب کا حسن ظن تھا کہ مجھے اس قابل سمجھ لیا اور یہ محنت طلب کام میرے سپرد کر دیا، مگر حضرت کی دعاؤں کے حصول اور قوم و ملت اور وطن کی خدمت کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہونے کے لیے میں نے حامی بھر لی اور پھر جب لکھنے بیٹھا دیکھا کہ یہ تو ایک مبسوط کتاب بن رہی ہے، جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کے سلسلۂ اشاعت کے لیے مسائل کھڑے ہونے کا خوف دامن گیر ہوا کیونکہ اس کا ایک ایڈیشن ممبران کو سلسلہ مفت اشاعت کے تحت ارسال کیا جاتا تھا تو پوسٹ کرنے میں پریشانی ہوتی اور پھر حواشی اس نہج پر لکھے جاتے تو وقت بھی اس بات کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ وقت پر کتاب کو منظر عام پر لایا جا سکتا تھا، ان وجوہات کی بناء پر کچھ کام چھوڑ دیا کہ کئی علمائے اہلسنت کے حالات نہ لکھ سکا اور کئی لکھے ہوئے صفحات اور کئی ٹائپ شدہ اوراق کو میں نے اس سے الگ کر دیا، بہر حال جو کر سکا اسے میں اپنے لیے

غنیمت سمجھتا ہوں، اس میں اُن احباب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کام میں میرے ساتھ تعاون کیا اُن میں سر فہرست مولانا محمد عرفان ضیائی صاحب، مولانا مختار صاحب ہیں، پھر مواد فراہم کرنے میں محترم عبدالرحمٰن قادری، سید رفیق شاہ صاحب، حضرت علامہ نسیم احمد صدیقی، محمد عنایت اللہ قادری اور مشورے عنایت فرمانے میں محمد عارف نوری صاحب، عملی طور پر تعاون کرنے میں مولانا محمد عرفان المانی وغیرہم قابل ذکر ہیں، میں ان تمام حضرات کا کہ جن کے اسماءذکر کیے ہیں اور جن کے ذکر نہ کر سکا سب کا مشکور وممنون ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کی کاوشوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمارے اسلاف کی قربانیوں کی قدر کرنے کی اور اُن کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اُن کے قائم کردہ ملک کو بچانے کی ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

فقط

محمد عطاء اللہ نعیمی عفی عنہ

خادم جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان)

تخلیق پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار

13 / اگست 1991ء بمبئی بازار، کھارادر، کراچی میں ایک جلسۂ عام کے سے حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری نے تخلیقِ پاکستان میں علمائے اہلسنت کے کردار پر بھرپور خطاب فرمایا۔ جسے کیسٹ سے سُن کر حافظ عبدالرحمٰن قادری نے نقل کیا۔

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم .... بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم حضرات! سب سے پہلے تو میں عرض کروں گا کہ پاکستان کیوں بنا؟ اس کی غرض وغایت کیا تھی؟ پاکستان بنانے کا شوق ہمیں کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے تھے کہ ایسی آزاد مملکت ہو کہ جس میں مسلمان اپنے عقیدے کے مطابق حکومت بنائیں۔ سیاسی نظام تشکیل دیں، اسلامی حکومت ہو، ہر شخص کو انصاف ملے، ہر شخص کے ساتھ عدل ہو، نمازوں کے پابند ہوں، ہماری نسلیں انگریزوں کی تباہ کاریوں سے بچ جائیں۔ اس لیے ایک خطہ ہمیں الگ درکار تھا، نفاذِ اسلام اور نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نافذ کرنے کے لیے ہمیں پاکستان بنانے کی ضرورت پڑی۔

جو خطہ حاصل کرنے کا ہم نے خواب دیکھا اس سرزمین کا نام تحریک کے دوران پاکستان تجویز کیا گیا پھر تحریکِ پاکستان چلی اور پاکستان بن گیا۔ اصل مقصد دین کا، شریعت کا، نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفاذ تھا یہ اس کی اولین ترجیحات تھیں اور یہ بات یونہی مبہم نہیں بتائی جارہی بلکہ اس کا تذکرہ بانیِ پاکستان جناب محمد علی جناح نے متعدّد جلسوں میں کیا، علمائے اہلسنت نے بنارس کی سنی کانفرنس میں جو قرارداد پیش کی اس کے محرکات بھی یہی تھے۔ چاروں طرف سے جب

مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان ہوا تو سب کے نزدیک یہ بات تھی کہ ایسا ملک ہو کہ جس میں نفاذ اسلام ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ [14] یعنی اگر اسلامی قانون کے علاوہ کسی نے اور قانون قبول کیا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ نہ صرف یہ کہ اللہ رب العزت کے یہاں ناقابلِ قبول ہوگا بلکہ آخرت میں بھی ایسے لوگ خسارے میں ہونگے۔ جنہوں نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اپنایا ہو۔

عزیزان گرامی! ہم نے دین کا ترجمہ قانون کیا تو آپ حضرات بہت ممکن ہے یہ کہ دیں کہ دین تو نماز پڑھنے کا نام ہے، روزہ رکھنے کا نام ہے، دین جو ہے ایک طریقے کا نام ہے لیکن میں عرض کروں کہ دین کا ترجمہ آئین بھی کیا جاسکتا ہے۔ دین کا ترجمہ قانون بھی کیا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید سے میں ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو کنویں میں ڈال دیا کنویں سے نکلنے کے بعد آپ مختلف جگہوں سے گزرتے ہوئے مصر پہنچ گئے اور شاہ مصر کے دربار میں پہنچنے کے بعد ایک دور ایسا آیا کہ آپ بادشاہ بن گئے جب آپ مصر کے بادشاہ بنے اس دوران جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام رہتے تھے وہاں سخت قحط ہوا۔ قحط ہونے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بھائی شاہ مصر کے دربار میں جانے کے ارادے سے نکلے کیونکہ مشہور ہوا کہ شاہ مصر غریب

---

[14] آل عمران:۸۵

لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ دونوں بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں پہنچے۔ ان میں ایک بھائی آپ کے سوتیلے اور ایک بھائی سگے تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں بھائیوں کو پہچان لیا جب کہ وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سگے بھائی کو بلانے کے بعد کہا کہ سنا تھا کہ تمھارا کوئی بھائی یوسف تھا؟ اس نے کہا "ہاں"۔ جانتے ہو اس کا کیا ہوا؟ اس نے اور کچھ جواب دیا۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ جو تمھارے سامنے کھڑا ہے یہی تمھارا بھائی ہے اور میں مصر کا بادشاہ ہوں مگر خبردار اس راز کو اپنے دوسرے بھائی سے بیان نہ کرنا۔ ان کو خاموش کر دیا۔ خاموش کرنے کے بعد چونکہ دونوں بھائی اعانت اور مدد کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ ان کی اعانت کی گئی۔ اس زمانے میں ترازو کا رواج نہیں تھا پیمانہ جو گلاس نما ہوتا تھا اس کا رواج تھا۔ چنانچہ اس پیمانے سے بھر کر جب دونوں کو غلہ دیا گیا تو غلہ دینے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی ہدایت پر سگے بھائی کے مال میں شاہی پیمانہ کو رکھ دیا گیا۔

جب یہ دونوں حضرات غلہ لے کر گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا شاہی پیمانہ چوری ہو گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد پر ان دونوں بھائیوں کو بلایا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ ہمارا شاہی پیمانہ چوری ہوا ہے تم میں سے کسی کے پاس تو نہیں ہے انہوں نے کہا ہم تو آپ سے امداد لینے آئے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے تھوڑی آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہیے تو یہ تھا کہ دونوں کی تلاشی کرتے۔ جس کے پاس پیمانہ نکلتا اس کو سزا دے دی جاتی۔ مگر کیا یہ کہ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ جس کے پاس چوری کا مال برآمد ہو اس کی کیا سزا ہے؟ تو وہ بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کا حکم جانتے تھے تو دونوں بھائیوں نے یہ کہا کہ ہمارے یہاں قانون یہ ہے کہ جس کے پاس سے مال نکلے اس کو قید

کرلیا جائے۔ یوسف علیہ السلام کے دربار مصر میں یہ قانون تھا کہ جس کے پاس سامان برآمد ہو اُسے سزادی جائے، لیکن ان کی غرض یہ تھی کہ سگے بھائی کو یہاں روک لیا جائے تو سگے بھائی کے مال میں پیمانہ دبایا گیا۔ یوسف علیہ السلام نے کمال حکمت سے ان سے پوچھا: اب بتاؤ جس کے پاس پیمانہ برآمد ہو اس کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: جس کے پاس پیمانہ نکلے اسے قید کرلیا جائے، یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تلاشی لو۔ جب دونوں کی تلاشی لی گئی تو سگے بھائی کے مال میں پیمانہ برآمد ہوگیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمھارے کہنے کے مطابق ہم نے تمھارے بھائی کو گرفتار کرلیا، اپنے پاس رکھ لیا اب تم جاسکتے ہو۔ اس طرح دوسرے کو روانہ کیا۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا: وَمَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ [15]۔ آپ دنیا کی تمام تفاسیر اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہاں آیت میں جو لفظ دین استعمال ہوا اس کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ مصر کے قانون کے مطابق یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو قید نہیں کرسکتے تھے مگر قرآنِ پاک نے کہا كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ [16]۔ یہ تدبیر یوسف علیہ السلام کو ان کے رب نے بتائی تھی۔ رب نے تعلیم فرمائی تھی۔ تو قرآن مجید سے ہم نے ثابت کیا کہ "دین" کے معنی "قانون" کے بھی ہیں تو اب خطبہ میں پڑھی گئی آیت کا ترجمہ اور مفہوم یوں ہوگا کہ جو اسلامی دین کے علاوہ کسی اور دین کو قانون بنائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ ناقابلِ قبول ہے اور آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے۔

---

[15] یوسف:٧٦

[16] یوسف:٧٦

عزیزانِ گرامی! پاکستان کو اس لیے بنایا گیا کہ یہاں "دین" کا قانون ہو، شریعت کا قانون ہو، ہم اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزاریں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے ایک جلسے میں کسی نے جناب محمد علی جناح صاحب سے پوچھا تھا کہ پاکستان میں کونسا قانون ہو گا؟ بانی پاکستان نے قرآن مجید اٹھا کر کہا تھا کہ پاکستان کو کسی قانون بنانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ پاکستان کا قانون بنا ہوا ہے یعنی قرآنِ مجید فرقانِ حمید۔ یہ وعدہ کیا گیا کہ جب پاکستان بنے گا تو قرآن مجید کی حکمرانی ہوگی یعنی شریعتِ مطہرہ، نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفاذ ہوگا۔ یہ پاکستان سیکولرزم (Secularism) کے تحت نہیں بنا سوشلزم (Socialism) یا کمیونزم (Communism) کے تحت نہیں بنا۔

پاکستان اگر بنا تو اسلام کے نفاذ کے لیے بنا ہے۔ اب جو اس نظریہ کو نہیں مانتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ پاکستانی نہیں، آپ کے دستور کے مطابق، آئین کے مطابق بھی وہ پاکستانی نہیں ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں۔ صدر مملکت کا حلف نامہ، وزیر اعظم کا حلف نامہ، اسپیکر کا حلف نامہ، ممبر قومی اسمبلی کا حلف نامہ، اس میں اس بات کو مانا گیا کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور نظریۂ پاکستان کا میں محافظ رہوں گا اس کو جاری کرنے اور نافذ کرنے کی میں کوشش کروں گا۔

لیکن نپے تلے جملے آئین میں بھی موجود ہیں پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اسلام کے نفاذ کی خاطر وجود میں آیا اور پاکستان میں سوائے اسلام کے نفاذ کے کوئی اور نظام سوشلزم، کمیونزم نہیں چل سکتا۔ اب آئیے ہم وسیع تر حالات کی طرف نظر کریں۔ پاکستان معرضِ وجود میں کیسے آیا؟ یہ ایک بڑی تاریخ ہے۔ انگریز بڑا مکار ہے ایسا مکار ہے جس کا نقشہ اکبر الہ آبادی نے خوب کھینچا وہ کہتا ہے:

(حضرت) عیسٰی سے کہہ دو کہ گدھے اپنے باندھ لیں
کھیتی چر گئے ہیں حضرت آدم کی تمام

کہ عیسائی حضرت آدم کی کھیتی چر گئے ۔ ہندوستان کو تباہ کر دیا، برباد کر دیا، مسلمانوں کے تشخص کو پامال کر دیا۔ غرض یہ کہ بڑی عیاری اور مکاری سے ہندوستان میں گھسا اور جب تک ٹیپو سلطان [17] زندہ رہا، ٹیپو سلطان کے اِرد گرد علاقوں پر انگریز تسلط پا چکا تھا اور کچھ پر اس کی

[17] ٹیپو سلطان کا نام فتح علی ہے، جب کہ والد کا نام حیدر علی ہے، ان کے والد نے اُن کے نام میں ٹیپو سلطان کا اضافہ ارکاٹ کے ایک بزرگ حضرت ٹیپو مستان ولی سے عقیدت کے باعث کیا، بیشتر مؤرخین کے خیال کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۳؍ صفر المظفر ۱۱۶۵ھ (۳۱؍ دسمبر ۱۷۵۱ء) ہے۔ عالمِ اسلام کے اس عظیم جرنیل کی پیدائش بنگلور سے تقریباً ۲۲ میل دور ایک قصبے دیون ہلی میں ہوئی، حیدر علی نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا، ننھے ٹیپو کو قرآن کریم، فقہ، عربی، فارسی، فرانسیسی، انگریزی اور مقامی زبان کی تعلیم دی گئی۔ دینی اور دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ فنونِ حرب کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا گیا، ٹیپو سلطان نے اس عہد میں ہوش سنبھالا جب برصغیر پاک و ہند کی عظیم اسلامی مملکت سیاسی خلفشار کا شکار تھی، اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد جگہ جگہ خود مختار ریاستیں وجود میں آچکی تھیں، اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے بھیس میں اپنا جال پھیلا چکے تھے، ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ء) میں بنگال سے اودھ تک انگریزوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

انگریز حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھے، انگریزوں اور حیدر علی کے مابین پہلی جنگ کا آغاز ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۷ء) میں ہوا۔ دوسری جنگ ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) میں ہوئی، ۳۰ ذوالحجہ ۱۱۹۴ھ (۶؍ دسمبر ۱۷۸۲ء) کو حیدر علی کا انتقال ہوا۔ ۲۰؍ محرم الحرام ۱۱۹۷ھ (۲۶ دسمبر ۱۷۸۲ء) کو ٹیپو سلطان کی تخت نشینی عمل میں آئی، انگریزوں نے بندور کے قلع پر قبضہ کیا تو ٹیپو سلطان شعبان ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ء) بڑی فوج لے کر بندور کی سرحد پر پہنچ گئے بالآخر انگریز صلح پر مجبور ہوا، ۱۸ ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ (مارچ ۱۷۸۴ء) میں ٹیپو سلطان اور انگریزوں کے مابین معاہدہ ہوا، پھر مرہٹوں اور

نظام دکن نے باہم اتفاق کر کے ٹیپو سلطان پر حملہ کرنا چاہا سمجھانے پر بھی نہ سمجھے، آخر کار جُمادی الاولی ۱۲۰۱ھ (فروری ۱۷۸۷ء) میں چند معرکوں کے بعد وہ لوگ صلح نامے پر دستخط کرنے پر رضامند ہوئے۔

انگریز کی توسیع پسندی کی راہ میں اگر کوئی موثر قوت حائل تھی تو وہ ٹیپو سلطان کی ریاست میسور تھی، چنانچہ اس نے نظام دکن اور مرہٹوں کے ساتھ مل کر ٹیپو سلطان کے خلاف اتحاد قائم کر لیا، فریقین کے درمیان لڑائی کے تین دور ہوئے، آخر کار جمادی الاخری ۱۲۰۶ھ (فروری ۱۷۹۲ء) میں سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا گیا اور صلح نامے پر دستخط ہوئے جس کی رو سے ٹیپو سلطان کو اپنی نصف مملکت سے دستبردار ہونا پڑا۔

۱۲۱۳ھ (اوائل ۱۷۹۹ء) میں ایک انگریز مذاکرات کر رہا تھا دوسری طرف حملے کی تیاری میں مصروف تھا اور ٹیپو سلطان پر فرانسیسیوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کو تباہ کرنے کا الزام لگا دیا، چوبیس گھنٹے کا وقت دیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر اعلانِ جنگ کر دیا، اس طرح انگریز جنرل ہیرس نے اکیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج کے ساتھ ۹ رمضان المبارک ۱۲۱۳ھ (۴؍فروری ۱۷۹۹ء) کو میسور کی طرف رُخ کیا اور ۲۸ رمضان (۵ مارچ) کو جنرل ہیرس میسور میں داخل ہوا، ۷ شوال کو بنگلور پر قبضہ کر لیا، ٹیپو سلطان نے انگریزوں کی اس پیش قدمی کے پیش نظر مقابلے کی تیاری شروع کر دی، جنرل ہیرس نے ۱۷؍ذیقعد ۱۲۱۳ھ (۲۲؍اپریل ۱۷۹۹ء) کو سرنگا پٹم کے باہر توپیں نصب کر دیں، گولہ باری شروع ہو گئی، ۱۶؍مئی کو قلعہ کی فصیل میں چھوٹا سا شگاف پڑ گیا، جنرل ہیرس نے فوراً حملے کا فیصلہ کیا، ایسے موقع پر غدارانِ ملت انگریزوں کے کام آئے، میر صادق نے تنخواہیں دینے کے بہانے ان فوجیوں کو بلا لیا جو قلعے کی فصیل کے شگاف کی حفاظت پر متعیّن تھے، چنانچہ انگریز فوج بلا تکلف و بلا مزاحمت شگاف کے راستے قلعہ میں داخل ہو گئی البتہ ایک اور سمت سے حملہ کرنے والی انگریز فوج کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کہ ان پر سید غفار کے دستے نے دھاوا بولا تھا۔

ٹیپو سلطان دفاعی انتظامات میں بھرپور طریقے سے مصروف تھے، ۲۹؍ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ (۴؍مئی ۱۷۹۹ء) کو دوپہر کا کھانا سامنے لایا گیا، لقمہ اٹھایا ہی تھا کہ وفادار افسر سید غفار کی شہادت کی خبر ملی، کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ہم بھی عنقریب جانے والے ہیں۔ ٹیپو سلطان پیادہ دوڑے اور اپنی منتشر فوج کو مجتمع کرنے کی سر توڑ کوشش کی لیکن سپاہی اپنی قوت کھو بیٹھے تھے، آخر کار گھوڑے پر سوار ہوئے دروازے کے طرف بڑھے، اُسے میر صادق نے بند کروا دیا تھا تاکہ ٹیپو سلطان باہر نہ جا سکیں، پھر میر صادق یہ کہتے ہوئے نکلا کہ میں کمک لاتا ہوں لیکن سلطان نے اس کی غداری کو

حکومت نہ بھی تھی تو انگریز کے معاون و مدد گار تھے اور پھر مرہٹے اور نظام دکن پہلے ہی سلطان کے مخالف تھے مزید برآں میر صادق جیسوں کی غداری، تو یہ سارے اسباب تھے کہ ٹیپو سلطان مہم بظاہر ناکامی کا شکار ہوگئی حقیقت میں بعد والوں کے دل میں آزادی کی نہ بجھنے والی چنگاری سلگا گئی، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رحمت و رضوان کے پھولوں سے بھر دے، ٹیپو سلطان نے اپنی ایمانی اور ایقانی قوت سے انگریز کو ہندوستان پر مسلط ہونے سے روکا۔ لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی کہیے کہ مسلمان کے اپنے ہاتھوں مسلمانوں کے بظاہر خیر خواہ اور اصل میں دشمن حضرات نے انگریزوں سے مل کر ٹیپو سلطان کو شکست دی۔ ٹیپو سلطان ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۹ء میں انگریزوں سے جنگ ہار گیا۔ مئی ۱۷۹۹ء/۲۹ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ میں اس مرد مجاہد، مرد آہن کا وصال ہو جاتا ہے۔ وہ ایسا جرأت مند آدمی تھا کہ ہم نے تاریخ میں پڑھا کہ جس وقت ٹیپو سلطان کو شہید کیا جارہا تھا یا اس کی شہادت کے وقت ابھی حیات کی رمق اس میں باقی تھی جس کو ہم جانکنی کا عالم کہتے ہیں۔ کسی پر جانکنی کا عالم ہو ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ آدمی میں پکڑنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن مؤرخین نے لکھا کہ ٹیپو سلطان جب زخمی حالت میں میدان جنگ میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ جب تک روح جسم میں باقی رہی

بھانپ لیا اور تلوار کا وار کر کے اس قابل نفرت شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود اس دروازے کی طرف بڑھے جہاں سے قلعہ کے اندرونی حصے کو راستہ جاتا تھا، گزرنے کی کوشش میں تین بار زخمی ہوئے گھوڑے نے زخمی ہو کر دم توڑ دیا اور اب بھی وہ مردانہ وار لڑتے رہے اور شدید زخمی ہونے کے باوجود مردانہ وار لڑے اور شہادت پائی۔ (ملخصًا) (شیر کی ایک دن کی زندگی از حکیم چغتائی، اردو ڈائجسٹ، آزادی نمبر، اگست ۲۰۰۲ء ص ۸۰-۸۶)

تلوار اس کے ہاتھ میں رہی۔ آپ غور فرمائیں کہ عین روح نکلنے اور جان نکلنے کے عالم میں ایک انگریز آگے بڑھا۔ بڑھنے کے بعد وہ اس مسلمان شیر کے ہاتھ سے تلوار چھیننا چاہتا تھا یا کچھ گستاخی کرنا چاہتا تھا تو جناب! ٹیپو سلطان نے عین جانکنی کے عالم میں اپنی تلوار اٹھا کر انگریز کے دو ٹکڑے کر دیے اور کہا" ٹیپو سلطان میں حیات کی رمق باقی ہے اس سے تلوار اس وقت چھینی جائے گی جب حیات کی کوئی رمق ٹیپو سلطان میں باقی نہ ہو"۔

ہم نے حالات میں پڑھا کہ اس کا وہ غلام اگر پیچھے سے دروازہ بند نہ کرتا اور ٹیپو سلطان کو انگریز نہ گھیرتے اگر وہ قلعے کا پچھلا دروازہ بھی کھلا رہتا جس کے ذریعے سلطان اپنے قلعے میں جانا چاہتا تھا تو وہ محفوظ رہتا لیکن اُسے بند کر دیا گیا۔ ٹیپو سلطان اس طرح اپنے غداروں کی سازشوں کے ذریعے موت کا نشانہ بن گیا۔

اسی طرح آزادی کی بنیاد ڈالنے والا سب سے بڑا مجاہد جس کو تاریخ دانوں نے بھلا دیا، مورخین نے جس کے ساتھ انصاف نہیں کیا، لکھنے والوں نے جس کے ساتھ عدل نہیں کیا۔ آپ جانتے ہیں وہ کون ہے جس نے آزادی کا سب سے پہلا پتھر رکھا؟ جس نے آزادی کا سب سے پہلے سنگ بنیاد رکھا؟ وہ مرد مجاہد حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے [18] ، جو دہلی آئے

---

18 بطل حریت، مجاہد ملت، میر کاروان جنگ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی عمری حنفی ماتریدی چشتی ۱۲۱۲ھ بمطابق ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیر البلاد خیر آباد میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی علماء عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجہ پر سرفراز تھے، حضرت علامہ کے دادا حضرت مولانا راشد ہر گام پور سے خیر آباد تشریف لا کر سکونت پذیر ہوئے تھے۔

(سیرت علامہ فضل حق خیر آبادی، ماخوذ از خون کے آنسو ص ۶، تذکرہ علماء ہند، ص ۱۶۴)

اور تاریخ سے آپ کی بہادر شاہ ظفر[19] سے ملاقات بھی ثابت ہے۔

تمام علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد حضرت فضل امام خیر آبادی سے حاصل کیے اور حدیث شریف محدث شہیر شاہ عبد القادر محدث دہلوی سے دہلی میں حاصل کی (مقدمة الیواقت المهریه ص ۴)، چنانچہ حضرت علامہ نے ۱۲۲۵ھ بمطابق ۱۸۰۹ء تیرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی اور چار ماہ کچھ روز میں قرآن شریف حفظ کیا۔ (سیرت علامہ فضل حق خیر آبادی، ص ۱۲ / مقدمة الیواقت المهریه ص ۴)

علامہ مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں: مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی تو گرد و پیش علم و فضل، عمارت و ریاست کو جلوہ گر دیکھا جس وقت علامہ فضل خیر آباد سے دہلی پہنچے تو ایک سے بڑھ کر ایک باکمال نظر آئے، مفسرین، محدثین، فقہاء، فلاسفہ، اولیاء، شعراء جس طبقے پر نظر ڈالیے تو سب ہی موجود تھے، آپ کے والد ماجد مکان کے علاوہ ہاتھی اور پالکی پر بھی دربار جاتے وقت ساتھ بٹھاکر درس دیتے تھے اور صغر سنی ہی سے معقولات میں اپنے جیسا یگانہ روزگار بنالیا تھا اور منقولات کی تحصیل کے لیے شاہ عبد القادر محدث رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبد العزیز محدث رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ تک پہنچادیا۔ (سیرت علامہ فضل حق خیر آبادی، ص ۱۲) حضرت کے علمی مقام اور ان کی علمی جلالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے معاصرین میں بے نظیر اور حد درجہ ممتاز تھے آپ تقدیس الٰہی جل وعلا اور ناموس رسالت علیہ التحیۃ والثناء کے محافظ اور اسلام اور اہل اسلام کے خیر خواہ اور اہلسنت کے ان

علماء میں سے تھے جن کا نام "تاریخ ہند" میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔

آپ کو انگریزوں نے (فتویٰ جہاد اور اہل ہند کو انگریز کے خلاف جہاد کے لیے تیار کرنے کے جرم میں) فساد ہند کے زمانے میں جزیرہ رنگون (یعنی جزیرہ انڈمان جسے کالا پانی کہا جاتا تھا) میں قید کر دیا، وہیں ۱۲ صفر المظفر، ۱۲۷۸ھ بمطابق ۱۸۶۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ (تذکرہ علماء ہند فارسی، مصنفہ مولوی رحمان علی، ص ۱۶۵)

[19] بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے اور ۸۷ سال کی عمر میں ۱۸۶۲ء میں جزیرہ رنگوں میں جلاوطنی کی حالت میں انتقال کر گئے، ان کے دور حکومت کے آخری ایام میں انگریز شاہی خاندان کو حق جانشینی سے محروم کر کے مغلیہ دور حکومت کے خاتمہ کے خواہاں تھے، بہادر شاہ ظفر اس پر راضی نہ ہونے کے باوجود کچھ کرنے سے قاصر تھے، اس دوران جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہوا اور بادشاہ گرفتار ہوئے اور جہاں تک بادشاہ سے علامہ کی

اور اس کے بعد میں علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ یہ انگریز ہمارے ذہنوں میں چھاجائے گا۔ مسلمان کی نسل کشی کرے گا۔ ہمارے مذہب اور تشخص کو تباہ و برباد کردے گا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بیٹھ کر انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ[20] دیا۔ جب فتویٰ مرتب کیا سب اکابر علماء سے اس فتویٰ پر دستخط کرائے۔ سارے اکابر علماء نے اس جہاد کے فتوے پر دستخط فرمائے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد کا فتویٰ جاری کرنا تھا کہ ہندوستان بھر میں انگریز کے خلاف ایک بہت بڑی عظیم لہر دوڑ گئی اور گلی گلی، قریہ قریہ، کوچہ کوچہ، بستی بستی، شہر شہر وہ قتال وہ جدال ہوا کہ انگریز حکومت کی چولہیں ہل گئیں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ انگریز بڑا مکار اور خبیث ہے اس نے اپنی تدبیر میں لڑا کر بڑے بڑے لوگوں کو خرید کر اور ڈرا دھمکا کر بے شمار لوگوں کو قتل کرنے کے بعد اس نے تحریک کو کچل دیا۔ آزادی کی

ملاقات کا تعلق ہے تو منشی جیون لال کا 'روزنامچہ' ۱۶ر اگست، ۲ر ستمبر، ۶ر ستمبر اور ۷ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو ملاقات ثابت کرتا ہے۔ (دیکھیے غدر کی صبح و شام، روزنامچہ منشی جیون لال، ص ۲۱۷، ۲۴۰، ۲۴۶، ۲۴۷)

اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری اس کے تحت لکھتے ہیں: "اس روزنامچہ سے علامہ کی باخبری اور انقلابی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے، اور علامہ نے موجودہ صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

(باغی ہندوستان ترجمۃ الثورۃ الھندیۃ، حرف آغاز، ص ۱۴۱، مطبوعہ: المتاز پبلی کیشنز، لاہور)

[20] علامہ مشتاق احمد نظامی نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا کہ "آخر علامہ فضل حق نے ترکش سے آخری تیر نکالا، بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا، مفتی صدر الدین خان، مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ، مولانا فیض احمد بدایونی، وزیر خان اکبر آبادی، سید مبارک حسین رامپوری نے دستخط کردیے"۔

(سیرت فضل حق خیر آبادی، ص ۲۳)

تحریک کو کچل تو دیا مگر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی نے آزادی کا سنگ بنیاد رکھ دیا تھا اس کو بظاہر انگریز نے وقتی طور پر کچل دیا۔

انگریز کے کچلنے کے بعد کیا ہوا مسلمان دب گئے جوش ولولہ ٹھنڈا ہو گیا کیونکہ اکثر مجاہدین قتل کر دیے گئے تھے اور جس زمانے میں انگریزوں کے خلاف آواز اٹھی یہ ۱۸۵۷ء کی بات ہے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کی اس وقت ولادت ہو چکی تھی، آپ اس وقت ایک برس کے تھے۔[21]

آپ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریز گورنمنٹ کے خلاف جہاد شروع ہوا اور بریلی شریف میں جو کیمپ تھا وہاں مجاہدین کو تربیت دینے والے کون لوگ تھے؟ تاریخ پر نظر ڈالیے وہ حضرت علامہ مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ[22] (اعلیٰ حضرت کے والد ماجد)، حضرت

---

[21] مولانا غلام مہر علی "ننھا مجاہد" کے عنوان سے لکھتے ہیں: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانہ میں امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی عمر صرف ایک سال تھی۔

ایک دن ایسا بھی اتفاق ہوا کہ کسی مجاہد نے مولانا نقی علی خاں سے لے کر امام اہلسنت کو گود میں بٹھا لیا اور اپنی تلوار آپ کے گلے میں لٹکا کر کندھے پر اٹھا لیا اور پکار پکار کر کہنے لگا یہ ننھا پٹھان مجاہد بھی اسلام پر قربان ہونے کے لیے تیار ہے، آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمانے لگے کاش کہ اس ناچیز کی کمائی آج اسلام کے کام آ جاتی، آپ کے دادا مولانا رضا علی خاں جو مجاہدین کو ضروری ہدایات دے رہے تھے، نے یہ بات سن لی، فرمانے لگے بیٹا غم مت کرو، تمھارا یہ بیٹا مرتدینِ اسلام، گستاخانِ انبیاء و اولیاء کے لیے تلوارِ بے نیام ہو گا اور اس سے رب العزت وہ کارِ عظیم لے گا جو اس صدی میں بڑے بڑے غازیوں سے نہیں ہو سکے گا، اس فرزند جلیل کی ساری خدمت اسلام کے لیے وقف اور تائید اسلام کے لیے نثار ہوں گی۔ (دیوبندی مذہب ص ۱۷)

[22] مولانا غلام مہر علی لکھتے ہیں: جب روہیلکھنڈ بریلی کے اکناف میں انگریزی اقتدار بڑھنے لگا تو جنرل بخت خاں نے مجاہد جلیل مفتی عنایت احمد کو مجاہدین کی ترتیب کے لیے بریلی بھیجا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ مولانا رضا علی خاں کی

علامہ مولانا رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ[23] (اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کے دادا) تھے[24]۔ وہاں بریلی میں بھی مجاہدین کی صفیں درست ہوتیں۔ انگریزوں کے خلاف صفیں درست ہونے کے بعد

ہدایات سے مکمل استفادہ کیا جائے، مولانا نے اپنا مال و منال تمام مجاہدین پر صرف کر دیا، مفتی صاحب نے آپ کے پاس ہی رہ کر میدان کارزار کے منصوبے بنا کر انگریزوں کو شکستوں پر شکستیں دیں، مولانا رضا علی خاں کے فرزند ارجمند حضرت مولانا نقی علی خاں کی ڈیوٹی مجاہدین کو ہر قسم کا رسد پہنچانے پر لگی ہوئی تھی، آپ کی جامع میں ہر وقت دیگیں چولہوں پر رہتیں اور مجاہدین کے لیے لنگر عام جاری رہتا تھا۔ (دیوبندی مذہب، ص ۴۱۶)

23 ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے شجرہ طیبہ کو مولانا رضا علی خاں کی مساعی سے حیات جاوداں ملی، جنگ آزادی کے عظیم رہنما و جلیل قائد مولانا رضا علی خاں نے اس تحریک آزادی میں شب و روز بریلی کے گرد و نواح میں مجاہدین کی ترتیب و ترغیب میں بسر کیے، باوجود ضعیف العمری کے کئی معرکوں میں خود شمشیر بکف ہو کر انگریزوں کے لیے پیغام اجل ثابت ہوئے۔

آپ کی ولادت ۱۲۲۴ھ میں ہوئی باوجود رئیس اعظم ہونے کے والد نے علوم عربیہ میں لگا دیا، مولانا خلیل الرحمٰن ٹونکی سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں اعلیٰ درجہ کا مقام حاصل کیا، وہ خود اپنے محلہ میں خود اپنی جامع مسجد میں جماعت کراتے اور ایسی پر تاثیر تقریر فرماتے کہ سینکڑوں لوگ گناہوں سے تائب ہوتے، زہد و تقویٰ و فقر کا غلبہ ہوا تو تجرید و تفرید کی طرف مائل ہوئے، شب و روز عبادت الٰہیہ میں بسر ہوتے، یہ خاندان ہی اسلام کا شیدائی اور شاہانِ اسلام کا معتمد علیہ قبیلہ تھا، دہلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر پر انگریز غالب ہونے لگے اور انگریزوں کے مقابلے کے لیے جنرل بخت خان اور شاہ احمد اللہ شاہ نے جہاد کمیٹی بنائی تو دہلی سے مولانا فضل حق خیر آبادی اور کاکور سے مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی مصنف علم الصیغہ اور بریلی سے مولانا رضا علی خان کو منتخب کیا گیا۔

(دیوبندی مذہب، ص ۴۱۵۔۴۱۶)

24 مولانا غلام مہر علی (چشتیاں) لکھتے ہیں: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اعلیٰ حضرت بریلوی کے دادا مولانا رضا علی خان جنرل بخت خاں کے خصوصی معاون تھے (دیوبندی مذہب، ص ۳۷۷)

انگریزوں پر حملے ہوا کرتے تھے لیکن جب اس تحریک کو کچل دیا گیا تو بظاہر یہ تحریک ٹھنڈی ہوگئی لیکن انگریز کے علم میں یہ بات تھی کہ تحریک کو تو ہم نے دبا دیا لیکن جذبۂ جہاد لوگوں کے دلوں سے نکالنا معمولی کام نہیں۔ ملکہ وکٹوریہ، چڑیل نے ایک مکارانہ چال چلی وہ کیا؟ ہندوستان میں اعلان ہوا کہ جتنے بھی باغی ہیں سب کو معاف کر دیا گیا ہے۔ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی چونکہ قوم کو ابھی ان کی ضرورت تھی تو آپ انگریز کے ہاتھ ابھی نہیں آئے تھے۔ ظاہر ہے کہ مجاہدین کو خفیہ ہدایات جاری کرتے اور دہلی سے نکل گئے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد کسی طرح علی گڑھ (Aligarh) پہنچ گئے اور علی گڑھ میں بھی ایک عرصہ تک چھپے رہے اور مجاہدین کی مدد کرتے رہے۔ مجاہدین کو مشورے دیتے رہے۔ غرض یہ ہوا کہ جب انگریز نے یہ اعلان کر دیا کہ جتنے بھی باغی ہیں ہم نے سب کو معاف کر دیا۔ پس یہ اعلان ہونا تھا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی ان کے دام میں آگئے۔ انہوں نے سوچا کہ جب ملکہ وکٹوریہ نے اعلان کر دیا اب باہر آجانا چاہیے۔ چنانچہ علامہ فضل حق خیر آبادی باہر آئے اور اپنے وطن خیر آباد پہنچے۔ خیر آباد پہنچ کر چند دن ہی گزارے تھے کہ کسی نے مخبری کی کہ یہی وہ فضل حق ہیں جنہوں نے انگریز گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کی اور جہاد کا فتویٰ دیا، چنانچہ علامہ فضل حق خیر آبادی کو گرفتار کیا گیا اور گرفتار کرنے کے بعد لکھنؤ لے جائے گئے۔ اس کے بعد آپ پر دہلی یا لکھنؤ میں غداری کا مقدمہ چلا، ہوا یہ کہ جس نے گواہی دی، گواہی دینے والے کے دل میں مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کیا نرم گوشہ آیا اس نے ساری کاروائی مکمل ہونے کے بعد علامہ فضل حق خیر آبادی کو پہچاننے سے انکار کر دیا تاکہ ان کی جان بچ جائے۔ جس جج کے سامنے علامہ فضل حق خیر آبادی پیش کیے گئے اس جج نے علامہ فضل حق خیر آبادی سے کتابیں

پڑھیں تھیں اور وہ چاہتا تھا کہ کوئی بہانہ ایسا نکل آئے جس سے علامہ فضل حق خیر آبادی کو رہا کر دیا جائے اب جو گواہیاں ہوئیں تو اس گواہ نے کہا کہ یہ فتویٰ جس عالمِ دین نے دیا ہے یہ وہ علامہ فضلِ حق خیر آبادی نہیں ہیں یہ کوئی دوسرے فضلِ حق خیر آبادی ہیں جب یہ بیان ہوا اب آپ کے چھوٹنے اور رہا ہونے کی منزل قریب آئی لیکن جب علامہ فضل حق خیر آبادی کا بیان لیا گیا تو اس مردِ مجاہد نے انگریز جج کے سامنے یہ اعتراف کیا" جناب! اس گواہ نے مروت میں آکر مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے لیکن جہاد کا فتویٰ میں نے ہی دیا ہے۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں یہ کہوں کہ یہ فتویٰ میرا نہیں۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ یہ فتویٰ جہاد میں نے دیا، جو سزا دی جائے میں اسے قبول کرتا ہوں"۔

اب دیکھیے! جب علامہ نے خود اعتراف کر لیا یہ فتویٰ جہاد میں نے دیا۔ تو علامہ فضل حق خیر آبادی کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار کرنے کے بعد عمر قید سنائی گئی اور جزائر انڈمان بھیج دیا گیا، جس کو ہم کہتے ہیں کالے پانی کی سزا، وہاں انہیں ۱۸۵۷ء میں بھیج دیا گیا۔ جب ان کو جزائر انڈمان (کالے پانی) بھیج دیا گیا تو ان کے دونوں صاحبزادے علامہ عبد الحق اور دوسرے علامہ شمس الحق یہ خاموش نہیں بیٹھے اور کورٹ، کچہری میں اپنے والد کے دفاع اور تحفظ کی خاطر مقدمہ بازی کرتے رہے یہاں تک کہ عزیزان گرامی ۱۸۶۱ء صفر کا مہینہ تھا، ساڑھے تین چار برس کے بعد جج نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی رہائی کا آرڈر دیا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کو رہا کر دیا جائے۔ علامہ شمس الحق (آپ کے صاحبزادے) نے یہ آرڈر لے کر جزائر انڈمان کا سفر کیا۔ خدا کا کرنا دیکھیے کہ جب علامہ شمس الحق جزائر انڈمان پہنچے اور خوش تھے کہ آج والد کی رہائی ہو جائے گی مگر جیسے ہی وہ جزائر انڈمان پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جنازہ تیار ہے لوگ جنازہ

پڑھنے کے لیے تیار ہیں علامہ شمس الحق پہنچے فرمایا یہ جنازہ کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا تحریک آزادی کے ہیرو علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ آج علی الصبح انتقال کر گئے۔ علامہ شمس الحق نے اپنے والد ماجد کے جنازہ میں شرکت کی، علامہ فضل حق خیر آبادی کا مزار، جزائر انڈمان ہی میں ہے، ان کے صاحبزادے رہائی کا پروانہ لے کر واپس آ گئے، یوں کہیے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی وہ مرد مجاہد ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے اخلاص کا بدلہ یہ دیا کہ انگریز کے آزاد کرنے سے پہلے اپنے بندے کو آزاد کر دیا تاکہ انگریز کی آزادی کا دھبہ ان پر نہ لگے اور وہ انگریز کے آزاد کرنے سے پہلے آزاد ہو گئے۔

عزیزانِ گرامی! دیکھیے یہ ہے سب سے پہلا مرد مجاہد جس نے جان دے کر آزادی کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ اور ان کے ساتھی انہیں تاریخ نے صرف اور صرف اس لیے فراموش کر دیا کہ ان کا تعلق وہابی جماعت سے نہیں تھا، سنی جماعت سے تھا۔ اہلسنت و جماعت سے تھا۔ اسی لیے بطل حریّت علامہ فضل حق خیر آبادی کا نام تاریخ سے مٹانے کی اور محو کرنے کی کوشش کی گئی۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کون تھے؟ ہم سے نہیں مرزا غالب سے پوچھتے وہ گواہی دیں گے مرزا اسد اللہ خاں غالب اکثر اپنے کلام کی تصحیح علامہ فضل حق خیر آبادی سے کرایا کرتے تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کے والد ماجد حضرت علامہ فضل امام خیر آبادی[25] تھے۔ چند اسباق مرزا

---

[25] علامہ فضل امام خیر آبادی ایک نامور عالم اور معقولات میں یگانہ روزگار تھے، وہ خیر آبادی سلسلہ علماء کے پہلے نامور بزرگ ہیں جو معقولات کی تدریس اور ترویج کے باعث معروف ہوئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۵/۳۱۳) دہلی میں ان کی قائم کردہ درسگاہ معقولات کی ایسی یونیورسٹی تھی جس کی مثال شاید ہی ہندوستان میں کہیں ملے۔ (غالب نام آورم، ص ۱۰۲)

غالب نے ان سے بھی پڑھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی سے بھی کچھ پڑھا اور جو اشعار اس نے کہے ہیں اس میں ایک طرح سے وہ علامہ فضل حق خیر آبادی کے تلمیذ ہیں۔ لوگوں نے جو یہ کہا کہ ان کا تعلق بھی وہابی گروپ سے تھا۔ یہ بالکل غلط ہے[26]۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کا

دہلی سے وہ اپنے وطن خیر آباد تشریف لائے، شروع میں عدالت کے مفتی تھے پھر صدر الصدور مقرر ہوئے، ۱۸۲۷ء کے لگ بھگ آپ اس عہدہ سے دستبردار ہو گئے، ملازمت کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، چنانچہ آپ نے متعدّد کتب لکھیں، منطق کی مشہور کتاب "المرقاۃ" آپ ہی کی تصنیف ہے، اور آپ نے ۵ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۲۹ء کو خیر آباد میں انتقال فرمایا۔ (کتاب علامہ محمد فضل حق خیر آبادی، ص ۴۰)

26 مرزا غالب اور ردّ وہابیت: مرزا اسد اللہ غالب علامہ فضل حق خیر آبادی کو اپنا قریبی مخلص اور دوست گردانتے تھے اور ان سے بے حد متأثر تھے، علامہ اکثر مرزا کے اشعار کی اصلاح فرماتے اور اس طرح غالب کے اخلاق و عادات کی اصلاح کا سہرا بھی علامہ فضل حق کے سر ہے چنانچہ ڈاکٹر محی الدین زور قادری لکھتے ہیں: "مولانا فضل حق وہ بزرگ ہستی ہیں جس نے غالب کے اخلاق و عادات و شاعری کی اصلاح میں بڑا حصہ لیا، ان کی بزرگی و عظمت کا اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مرزا جیسے خود رائے اور آزاد رو شاعر و ادیب جن کی نظر میں بڑے بڑے شعراء و علماء نہیں جچتے تھے مولانا خیر آبادی کی بڑی تعظیم و عزت کرتے تھے۔ (سرگزشت غالب، ص ۶۲)

علامہ فضل حق خیر آبادی غالب کے مشکل حالات میں اُن کا پورا ساتھ دیتے، مالی مشکلات حل فرماتے، مصائب و آلام کے اس سخت دور میں اگر کسی نے خلوص دل کے ساتھ مرزا کا ساتھ دیا وہ صرف مولانا فضل حق خیر آبادی کی ذات تھی۔

مرزا غالب کے عقائد وہی تھے جو علامہ فضل حق خیر آبادی کے تھے کیونکہ علامہ نے اخلاق و عادات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ مرزا کے عقائد کی اصلاح پر بھی بھرپور توجہ دی تھی، یہی وجہ ہے کہ غالب نے امتناع النظیر کے مسئلہ پر علامہ کا پورا ساتھ دیا اور اس مسئلہ پر ایک مثنوی لکھی چنانچہ مثنویات غالب میں چھٹی مثنوی کا عنوان ہے۔

بیان نموداری شان نبوت وولایت که در حقیقت پر تو نورالانوار حضرت الوہیت است

اس میں مرزاغالب نے عقائدونظریات نظم کیے اور یہ مثنوی ۱۲۸/اشعار پر مشتمل ہے، اس مثنوی کے ایک شعر پر علامہ نے مرزا کو تنبیہ کی اور اصلاح فرمائی، اور مرزاغالب آخری شعر میں مثل محمد ﷺ کے ممتنع بالذات ہونے کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "میں اس عقیدے سے منہ نہیں پھیر سکتا"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ غالب بھی علامہ فضل حق خیر آبادی کے طرفدار تھے اور امتناعِ نظیر النبی ﷺ بالذات کے معتقد تھے، وہ وہابیہ کے اعتقادات کے خلاف تھے نہ صرف "تقویۃ الایمان" کی جسارت پر تنقید کے زمانے میں بلکہ زندگی بھر ان کے یہی عقائد رہے۔ اس کا ثبوت غالب کی ۱۸۶۵ءمیں شائع ہونے والی اس تحریر سے ملتا ہے جو "عود ہندی" (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء، ص ۳۷۶تا۳۷۷) میں محفوظ ہے۔ اس کے مطابق مرزارحیم بیگ نے اپنی تصنیف "ساطع برہان" میں صاحب "قاطع برہان" کی توہین رسالت پر مبنی گستاخانہ عبارت نقل کی، اس پر غالب نے ان کی بڑی شدّت سے گرفت فرمائی اور جواب دیا اور اس جواب میں انہوں نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" سے استدلال پیش کیا۔ استدلال پیش کرنے سے قبل مرزاغالب نے جس انداز میں اس کتاب اور صاحب کتاب کا مصنف بیان کیا وہ نہ صرف اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ وہ خود عقائد وہابیہ کے مخالف تھے بلکہ انہوں نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ اس عہد کے باقی علماء بھی تحریک وہابیہ کو ناپسند کرتے تھے۔

مرزاغالب لکھتے ہیں: "سنو فخر الفضلاء ختم العلماء امیر الدولہ مولوی فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ عقائد وہابیہ میں بزبان فارسی (۱۲۴۰ھ) میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علماء کی اس پر مہریں ہیں، اس رسالے میں مولوی مرقوم لکھتے ہیں کہ.... پس موجب فتوائے علمائے اسلام فقرۂ مذکورہ کا لکھنے والا کفر میں شدّاد سے اشد اور کذب میں مسیلمہ کذّاب سے سواہے عقبیٰ میں وہ خالق کا مقہور اور دنیا میں خلق کا مطعون ہوگا۔ (عود ہندی، ص ۳۷۶-۳۷۷)

معلوم ہوا کہ مرزاغالب کے نظریات وعقائد یہی تھے، ۱۸۲۴ءمیں یعنی عہد جوانی میں اور ۱۸۶۵ءیعنی زمانہ پیری میں بھی (علامہ فضل حق خیر آبادی تصنیف سلمہ سیہول، ص ۱۰۹ تا ۱۱۹) لہٰذا غالب ہرگز ہرگز وہابی نہ تھے بلکہ وہ تو وہابیت کے سخت مخالف اور وہابیوں کے دشمن تھے۔

ایک عظیم الشان رسالہ "امتناع النظیر" ہے۔ ایک مسئلہ نکل چلا، اس کی تفصیل تو طویل ہے مختصر خاکہ اپنے ذہن میں بٹھائے۔ امام الوہابیہ اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھا کہ "اللہ تبارک و تعالیٰ اگر چاہے تو ایک آن میں کروڑوں محمد کو پیدا کردے" (معاذ اللہ) جب اس نے یہ لکھا تو علامہ فضل حق خیر آبادی نے اس کی گرفت کی۔ اس سے مناظرہ کیا، اس مسئلے میں اس سے اختلاف کر کے کتابیں لکھیں کہ اس میں اہلسنت کا موقف کیا ہے؟ بہت فنی مسئلہ ہے لیکن آسان کر کے بیان کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[27] کہ ہم نے اپنے پیارے مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا اُنکے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ خود رب کریم ارشاد فرماتا ہے: لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ[28] ہماری باتیں بدلی نہیں جاتیں۔

علمائے اہلسنّت کا مؤقف یہ تھا کہ جب رب کریم فرماتا ہے کہ حضور ﷺ نبوت کے ختم کرنے والے ہیں تو یہ کہنا کہ ایک آن میں اللہ چاہے کروڑوں محمد کو پیدا کردے یہ مسئلہ غلط ہے۔ چنانچہ اس مسئلے میں دونوں کا مناظرہ ہوا اور اسمٰعیل دہلوی کو بڑی زبردست شکست ہوئی اور علامہ فضل حق خیر آبادی نے امتناع النظیر پر پوری کتاب لکھی[29]۔ وہ کتاب اس بات کی گواہ

---

[27] الاحزاب:۴۰

[28] یونس:۶۴

[29] یہ کتاب حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ التلمیذ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی اور حضرت علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصلی مسوّدہ کتب خانہ حبیب گنج میں موجود ہے، حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "خون کے

ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کا وہابی گروپ سے قطعاً تعلق نہیں تھا بلکہ ان کا تعلق اہلسنت و جماعت سے ہی تھا۔

جس زمانے میں مسلمان انگریزوں سے آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اس زمانہ میں سید احمد رائے بریلوی یہ انگریزوں کے مفاد میں کام رہے تھے چنانچہ مقالات سید احمد مترجم سخاوت مرزا، ص ۳۲ مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی میں سید احمد رائے بریلوی کا اپنا کلام موجود ہے کہ ''سرکار انگریزی سے ہمیں کوئی مخاصمت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے، کیونکہ ہم تو اس کی رعایا ہیں بلکہ ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے''[30]۔ اسماعیل دہلوی[31] یہ انگریزوں کے مفاد میں کام کر رہے تھے[32] اور انگریز کی اجازت و تعاون سے سرحد کے غیور

آنسو'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہ کتاب فارسی زبان میں ہے ابھی تک اس کا اردو ترجمہ نظر نہیں آیا، سنا ہے کہ ترجمہ ہو رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم اور مرزا اسد اللہ خان غالب نے علامہ کے اس کتاب میں بیان کردہ مؤقف اور اس کے مضمون کو ایک مثنوی میں بیان کیا ہے۔

[30] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از رائے کمال، ص ۲۵

[31] اسماعیل دہلوی: رئیس المبتدعین مولوی محمد اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء کا تعلق اگرچہ ایک علمی اور روحانی گھرانے سے تھا، میری مراد ہے کہ وہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانے کا ایک فرد تھا، موصوف حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے تھے، مگر لازمی نہیں کہ نیکوں کی اولاد نیک ہی ہو، چنانچہ متحدہ ہندوستان میں فرقہ بازی کا سنگ بنیاد اس نے رکھا۔ موصوف نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے ذریعے خارجیت کی تبلیغ کی اور ساتھ ہی داود ظاہری سے انکارِ تقلید اور معتزلہ کے مزدار یہ فرقہ سے امکانِ کذب کا عقیدہ لے کر سب کو ''تقویۃ الایمان'' میں اکٹھا کیا، گویا ''تقویۃ الایمان'' کی اصل بنیاد تو محمد بن عبد

الوہاب نجدی کی "کتاب التوحید" پر رکھی گئی لیکن اس میں ظاہری المذہب اور اعتزال کی قباحتوں کے لیے بھی پوری پوری گنجائش رکھی گئی، دوسری طرف "صراط مستقیم"، کتاب کے ذریعے "رِفض" کی بھی کُھل کر اشاعت کی۔

برطانوی منصوبے کے تحت موصوف نے مسلمانوں کا رشتہ اکابر سے منقطع کرنے اور فرقہ سازی کے لیے دروازہ کھولنے کی غرض سے تقلید کو شرک اور گیارہ سو سالہ مسلمانوں اور امتِ محمدیہ کو مشرک وجہنمی ٹھہراتے ہوئے صاف صاف مشرک کہہ دیا اور اپنے خاندان کے اکابر کو بھی دوزخ سے بچانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لکھ دیا: "میں کیسے جانوں کہ ایک شخص کی تقلید کو لیے رہنا کیونکر حلال ہو گا جب کہ اپنے امام کے مذہب کے خلاف صریح حدیثیں پاسکے، اس پر بھی امام کا قول نہ چھوڑے تو اس میں شرک کا میل ہے"۔ (تنویر العینین، ص۲۷) اور اس میں یہ بھی لکھا کہ "ایک امام کی پیروی کہ اس کی بات کی سند پکڑے اگر چہ اس کے خلاف کتاب وسنت سے ثابت ہو اور انہیں (آیات واحادیث کو) اس قول کی طرف پھیرے، یہ نصرانی ہونے کا میل اور شرک کا حصہ ہے اور تعجب ہے کہ وہ لوگ خود تو اس تقلید سے ڈرتے نہیں بلکہ اس کے چھوڑنے والے کو ڈراتے ہیں"۔

(برطانوی مظالم کی کہانی، ص۳۱۱)

اور مولوی اسماعیل دہلوی کے معتقدین یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ جب دنیا شرک کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی تو موصوف نے مسلمانوں کو توحید سے آگاہ کیا اور شرک وکفر سے بچایا لیکن حقیقت بالکل اس کے برعکس ہی نظر آتی ہے۔ جب وہ خارجیت کا علم لے کر کھڑے ہوئے تو باری تعالیٰ شانہ کو کسی طرح معاف کر سکتے ہیں، انہوں نے باری تعالیٰ شانہ کو جھوٹا بتانے اور منوانے کی خاطر یوں اپنی منطق دانی کا اظہار کیا "لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد... (دیکھیے رسالہ یک روزی، مطبوعہ صدیقیہ پریس، ملتان، ص۱۷-۱۸)

موصوف صرف خدا کو جھوٹا ہی نہیں جانتے تھے بلکہ اُسے مجسم مانتے تھے، ان کا عقیدہ تھا جو شخص خدا کو زمان ومکان وجہت سے پاک جانے، اس کی رویت بغیر جہت ومحاذات کے مانے تو ایسے شخص کو بدعت حقیقیہ کا مرتکب یعنی کافر ٹھہراتے تھے۔ (برطانوی مظالم کی کہانی ص۳۱۶-۳۱۷)

چنانچہ ان امور کی توضیح موصوف نے یوں کی ہے "تنزیہ اوتعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاذات... ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است الخ (دیکھیے محمد اسماعیل دہلوی کی تصنیف ایضاح الحق، ص ۴۴ - ۴۵، مطبوعہ محمدی پریس دیوبند ۱۳۵۶ھ)

اسی طرح مولوی محمد اسماعیل دہلوی کا محبوب ترین مشغلہ توہین و تنقیص رسالت تھا، موصوف اس میدان کے ایسے اکیلے شہسوار تھے کہ اگلے پچھلے سارے گستاخوں کے کان کُتر لیے، سب سے استادی کا لوہا منوالیا۔ قرآن کریم سامنے رکھ لیجیے، انبیائے کرام کی شان میں منکروں اور گستاخوں نے جو بیہودہ کلمات استعمال کیے، انہیں دیکھ لیجیے۔ پھر احادیث نبویہ کے ذخائر اور کتب سیر و تواریخ سے گستاخوں کے سارے نازیبا کلمات نکال کر اس فہرست میں شامل کر لیجیے۔ اب اس مجموعہ خرافات کا "تقویۃ الایمان" نامی مغلظات سے مقابلہ کیجیے، اگر دل میں انبیائے کرام کی عظمت و رفعت کا تصور موجود ہے اور کسی بے دین کے پیچھے لگ کر یہ روح ایمان ضائع نہیں کی ہے تو ہر منصف مزاج ذی علم اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک شانِ رسالت میں جتنے گستاخانہ کلمات استعمال کیے گئے ہیں، مصنفِ تقویۃ الایمان ان سب پر سبقت لے گیا ہے۔ (برطانوی مظالم کی کہانی جس ۳۱۸-۳۱۹)

یاد رہے کہ "تقویۃ الایمان" کے علماء دہر نے متعدّد رد لکھے، چنانچہ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں: برصغیر میں وہابی افکار و خیالات "نجد" سے آئے "کتاب التوحید"، "تقویۃ الایمان" اور اسی قبیل کا وہابی ادب جب اشاعت پذیر ہوا تو "تقویۃ الایمان" کے رد میں سب سے پہلے مولوی عبدالمجید بدایونی نے "ہدایت الاسلام" کتاب لکھی، پھر ان کے بیٹے مولانا شیخ فضل رسول بدایونی نے ردِّ وہابیت میں سب سے پہلے نمایاں حصہ لیا اور اس تحریک کا ردِّ بلیغ کیا اس سلسلے میں دو کتابیں "سیف الجبار" اور "تصحیح المسائل" قابل ذکر ہیں، ظاہر ہے کہ وہابی تحریک کے مذہبی اثرات کے ساتھ ساتھ سیاسی اثرات بھی تھے۔ (ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی، علماء بدایوں کی سیاسی خدمات کا مختصر جائزہ، اکتوبر نومبر ۱۹۷۸، مطابق ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۴)، ص ۸۵) اس کے علاوہ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا رد بلیغ "اطیب البیان فی ردّ تقویۃ الایمان" کے نام سے کیا۔

32 اور ان کے نزدیک انگریز کے خلاف جہاد کرنا ہرگز درست نہ تھا اور اپنے اس موقف کا ان لوگوں نے بارہا اعادہ کیا، چنانچہ محمد جعفر تھانیسری نے لکھا "یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل

صاحب وعظ فرما رہے تھے، ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ "سرکار انگریزی" پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے"۔ (سوانح احمدی، ص ۷۳)

اور مرزا حیرت دہلوی نے اس واقعے کو اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے: "کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا: آپ "انگریزوں" پر جہاد کا فتوی کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا، ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے، ایک تو اُن کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے، ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے، بلکہ اگر ان پر کوئی (مسلم یا غیر مسلم) حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ دیں۔ (حیات طیبہ ص ۳۶۴)

اور نیچری فرقے کے بانی سر سید احمد خان نے اپنے ان لفظوں میں یہ قصہ سپرد قلم کیا تھا: "ایک مرتبہ وہ (مولوی اسماعیل دہلوی) کلکتہ میں سکھوں پر جہاد کا وعظ فرما رہے تھے، اثنائے وعظ کسی شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے؟ وہ بھی تو کافر ہیں۔ اس کے جواب میں مولوی اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اس لیے ہم پر اپنے مذہب کی رُو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں"۔ (ہنٹر پر ہنٹر، ص ۲۹)

اپنے اکابر کی انگریز دوستی کا داغ مٹانے سے اپنے آپ کو مجبور دیکھ کر امام مذہب مولوی اسماعیل دہلوی کے عاشق زار یعنی مولوی محمد منظور نعمانی سنبھلی کو ان الفاظ میں اعتراف کیے بغیر کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

(برطانوی مظالم کی کہانی، مصنفہ عبدالحکیم خان، ص ۲۱۵)

"مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا، بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں اُن کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی۔ (ماہنامہ الفرقان، لکھنو، شہید نمبر، ۱۹۵۵ء، ص ۶۷)

مولوی اسماعیل دہلوی پانی پتی نے اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یہ فیصلہ کُن بیان دیا ہے:
"سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید، انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے، اور نہ ہی انہوں نے کبھی اُن کے خلاف جہاد کا اعلان کیا، سرسید کے اس بیان کی تائید بعد کے متعدّد مؤرخوں نے بھی کی ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن نے ترجمان وہابیہ، مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱، ۸۸ پر، نیز "سوانح احمدی" مؤلفہ محمد جعفر تھانیسری میں بیس مقامات پر، اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل کی سوانح موسوم حیات طیبہ کے صفحہ ۱۸۹، ۲۹۲، ۲۹۴ پر اس خیال کو پیش کیا ہے۔ مگر حال میں بعض اصحاب نے ان حقائق کے بر خلاف یہ لکھنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت سید رائے بریلوی اور حضرت شاہ اسماعیل کا اصل مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد تھا، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کا یہ بیان واقعات کے مطابق نہیں اور نہ اس دعوے کا کوئی واضح ثبوت موجود ہے۔ (مقالات سرسید، حصہ نہم، ص ۲۰۷)

اور پھر اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی کے ہم مشرب اور ہم مسلک لوگ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ ان لوگوں نے انگریز کے خلاف جہاد کیا، "سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان میں انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا" جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو دعوت دی اور انہیں صاف صاف بتادیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے بدیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے جیسا کہ مولوی حسین احمد دیوبندی نے "نقش حیات" (۱۲/۲) میں اسی طرح لکھا ہے اور دیگر تاریخ اور تذکرے لکھنے والے بھی اس جھوٹ کی تقلید کرنے لگ گئے، بہر حال حسین احمد مدنی کا تو اس کے شاگرد نے ہی رد کر دیا چنانچہ مولانا عامر عثمانی نے حسین احمد مدنی کی اس بات پر ماہنامہ "تجلّی" دیوبند میں یوں تبصرہ کیا ہے: "کوئی شک نہیں، اگر استاد محترم حضرت مدنی کے ارشاد گرامی کو درست مان لیا جائے تو حضرت اسماعیل کی شہادت محض فسانہ بن جاتی ہے، مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں، اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں، اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے، اس طرح کی کوششوں کے نتیجے میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا اجر آخرت کا موجب کیوں ہوگا"۔ (زلزلہ ص ۱۸۶۔۱۸۷) (باغی ہندوستان، ص ۲۳)

مسلمانوں کو کافر و منافق قرار دے کر ان سے لڑ رہے تھے۔ رشید احمد گنگوہی[33] یہ انگریزوں کے مفاد میں کام کر رہے تھے۔[34]

اس نام نہاد جہاد میں وہابیہ کے ان پیشواؤں کے کرتوت اور ان کی ناکامی کے اسباب بیان کرتے ہوئے پروفیسر صاحبزادہ عبدالرسول للّٰہی لکھتے ہیں: مگر شاہ اسماعیل شہید کی انتہاء پسندی نے اسے سخت نقصان پہنچایا، جس کے تحت دیگر ہر قسم کے غلو کے علاوہ جہاد سے لاتعلق مسلمانوں کو دارالحرب کے غیر مسلم قرار دے کر لوٹا گیا، انہیں قتل کیا گیا اور اُن کی بیٹیوں سے جبری نکاح کر کے اپنے تصرف میں لایا گیا، ایسے ناروا اقدامات کے خلاف مسلم معاشرے کا شدید ردّعمل ہی اس کی ناکامی کا باعث بنا"۔ (تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۵۲۴، مطبوعہ: مکتبہ زاویہ، لاہور، ۲۰۰۳ء)

ان کا جہاد نہ انگریز کے خلاف تھا اور نہ ہی ہندوؤں کے خلاف، ان کا جہاد مسلمانوں کے خلاف تھا، چنانچہ ان لوگوں نے کل گیارہ جنگیں لڑیں، ان میں سے نو یا دس صرف سرحد کے اس وقت کے سچے مسلمانوں کے خلاف تھیں چنانچہ علامہ شاہ حسین گردیزی لکھتے ہیں: "سید صاحب اور مجاہدین نے سرحدی مسلمانوں کو کافر و منافق قرار دیا اور سکھوں سے زیادہ خطرناک اور خوفناک سمجھتے ہوئے ان سے جنگیں کیں"۔ (حقائق تحریک بالاکوٹ، ص ۱۳۲)

انگریز سے بھلا یہ جنگ کیوں کرتے کیونکہ اس کے ایماء پر اور اسی کی اجازت و مدد و تعاون سے یہ سب کچھ کر رہے تھے پھر قوم و ملت کے ان غداروں کو جنگ آزادی کا ہیرو قرار دیتے ہوئے تاریخ نویسوں کو خدا سے ڈرنا چاہیے۔

[33] عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری لکھتے ہیں: آپ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے، آپ مدرسہ دیوبند کے سر پرستوں اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے، وہابیوں کی جماعت میں سے جب شاہ محمد اسحاق دہلوی خلیفہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے گول مول اور مخصوص خیالات سے اتفاق رکھنے والوں کی جماعت بنی اور دیوبندی مکتب فکر کے نام سے روشناس ہوئی، تو اس قافلہ کے مولوی رشید احمد گنگوہی ہی قافلہ سالار قرار پائے، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر نامور خلفاء نے گنگوہی صاحب اور ان کے ہم خیال علمائے دیوبند کا تعاقب کیا، کہ یہ حضرات اپنے اکابر اور پیر و مرشد کے طریقے کے خلاف جا رہے ہیں۔

جب اس قضیہ کی خبر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو ملی تو اپنے متعلقین کو سمجھانے کی غرض سے جن مسائل میں ان حضرات کا نزاع تھا، اُن کے بارے میں اپنے نظریات و معمولات لکھ کر فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے موصوف کے

پاس اس کی کاپیاں بھیج دیں، گنگوہی صاحب نے اپنے پیر کے فیصلے کی یہ قدر کی کہ اپنے ایک شاگرد (خواجہ حسن نظامی دہلوی) کو ان تمام کاپیوں کو جلانے کا حکم صادر فرمادیا۔

فقہ حنفی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود موصوف نے اپنے تحکم سے اس میں ایسی تراش خراش فرمائی اور خوارج زمانہ کے نظریات داخل کیے کہ ابنائے زمانہ کو ایک پریشان کن مصیبت میں مبتلا کر دیا، اس کے ساتھ ہی تقدیس باری تعالیٰ شانہ کو داغدار ٹھہرانے کی غرض سے امکان کذب کے ناپاک عقیدے کو وقوع کذب تک بڑھادیا، شیطان لعین کو فخر دوعالم ﷺ سے بھی اعلم واوسع علماً ٹھہرادیا اور علمبردار خارجیت، امام الوہابیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کے تمام غیر اسلامی عقائد و نظریات کی کُھل کر تصدیق و تائید کرتے رہے، ان کا وصال ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں ہوا۔

(برطانوی مظالم کی کہانی، باب چہارم، (۱۷) ص ۲۷۰ - ۲۷۱)

34 اس کے بارے میں عبد الحکیم خان اختر شاہ جہان پوری لکھتے ہیں: ۱۸۵۷ھ کی جنگ آزادی شروع ہو چکی ہے، موصوف (یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی) کے ہم خیال علماء نے اپنا ایک جتھا منظم کر لیا ہے، ہتھیار لگا کر باہر پھرتے تھے، کس سے لڑنے کے لیے پھرتے تھے؟ ہمیں کیا معلوم جب کہ قریباً سوا سو سال پہلے کا واقعہ ہے، آئیے موصوف کے سوانح نگار، اُن کے عاشق زار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی سے پوچھتے ہیں: ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (مولوی محمد قاسم نانوتوی) اور طبیب روحانی، اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے اور بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا، یہ نبرد آزما جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانے والا نہیں تھا، اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پیر جما کر ڈٹ گیا اور "سرکار" پر جاں نثاری کے لیے تیار ہو گیا، اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتّہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے، وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں، چنانچہ آپ (گنگوہی صاحب) پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید: ۱/۷۴)

اب معلوم ہو گیا، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے راز بتادیا کہ گنگوہی صاحب نے اپنے اکابر اور اپنے پیر سے قلبی رشتہ کیوں توڑ لیا تھا؟ اس لیے کہ "برٹش گورنمنٹ" سے جاں نثاری و وفاداری کا عہد و پیمان جوڑا گیا تھا۔

(برطانوی مظالم کی کہانی، باب چہارم، ص۷۶۱۔۷۶۲)

اس مکتبۂ فکر کے مؤرخین نے دیوبند اور اس سے متعلقین حضرات کے انگریزوں کے خلاف جہاد کو ثابت کرنے کی ناکام کوششیں کیں، مگر یہ لوگ اس باب میں بھی دستاویزی ثبوت لانے سے قاصر رہے ہیں اور پھر جھوٹ تو جھوٹ ہوتا ہے جو چھپتا نہیں ہے، کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی طرح وہ ظاہر ہو ہی جاتا ہے، چنانچہ ایوب قادری صاحب اپنی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کی کتاب "سوانح عمری مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مطبوعہ دیوبند" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: "چندبار مفسدوں سے نوبت مقابلہ کی آگئی اللہ رے مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتوی) ایسے ثابت قدم تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ۔ ایک بار گولی چل رہی تھی کہ یکایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا جانا گولی لگ گئی، ایک دو بھائی دوڑ پڑے پوچھا کیا معاملہ ہوا، فرمایا سر میں گولی لگی ہے، عمامہ اُتار کر دیکھا تو کہیں گولی کا نشان نہیں ملا اور تعجب یہ کہ خون سے کپڑے تر تھے، انہیں دنوں ایک نے بندوق ماری جس کے کھمبے سے ایک مونچھ اور کچھ داڑھی بھی جل گئی اور قدرِ کچھ آنکھ کو نقصان پہنچا خدا جانے گولی کہاں گئی"۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص۸۲ تا ۸۴، ایوب قادری)

اس کے تحت علامہ خلیل اشرف اعظمی لکھتے ہیں: "اب ان حضرات کو کون بتائے کہ شیشے کے محل میں بیٹھ کر پتھر بازی کا شغل مناسب نہیں ہوتا، یہ روایت بداہتہً درایت کے خلاف ہے، تلوار بمقابلہ بندوق تو خیر شاندار بات ہے مگر تعجب یہ کہ سر میں لگنے والی گولی کہاں گئی حالانکہ مجاہد کبیر فرمار ہے ہیں کہ گولی سر میں لگی ہے اور انتہائی حیرت ناک بات یہ ہے کہ سر میں گولی کا نشان تک نہیں ہے اور اس سے بھی خوفناک بات یہ تھی کہ کپڑے خون سے تر بتر تھے، غالبًا اس کو کرامت کہتے ہیں؟ یہاں اس موقع پر یہ کہا جائے کہ یہ ساری روایت ہی مولانا یعقوب علی صاحب کی کرامت ہے تو شاید کچھ غلط نہ ہو گا، بہر صورت جب مؤرخین فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے جہاد فرمایا تو ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے، ضرور جہاد فرمایا ہو گا مگر حریت پسندوں، آزادی کے متوالوں سے اور یہی صحیح ہے۔ (ہندو پاک کی چند اسلامی تحریکیں، ص۹۴-۹۵)

آپ تذکرۃ الرشید [35] اٹھا کر دیکھیے جگہ جگہ انگریز حکومت کو سرکار انگریز کہا اور یہ کہا کہ میں سرکار انگریز سے تو بغاوت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ [36]

---

35 "تذکرۃ الرشید" یہ عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی کی تصنیف ہے جس میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے حالات وافکار کو جمع کیا گیا ہے اور ۱۹۰۳ء میں میرٹھ سے شائع ہوئی، اس کے بعد متعدّد بار شائع ہوئی ہے۔

36 چنانچہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے مولوی رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۹۰۵ء/۱۳۲۳ھ کا ذاتی بیان نقل کیا ہے کہ موصوف کا اپنے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ " میں (مولوی رشید احمد گنگوہی) جب حقیقت میں "سرکار" (یعنی انگریز) کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو "سرکار" مالک ہے، اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ (تذکرۃ الرشید:۱/۸۰)

مولوی عاشق کے اپنے کلمات یہ ہیں شروع ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں ہونے کی تہمت باندھی گئی۔

(تذکرۃ الرشید)

اور اب یہاں محمد میاں کی سنیے سید محمد میاں ناظم "جمعیت علماء ہند" اپنی کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" (ص ۲۹۵، جلد چہارم، طبع دہلی) ان واقعات کو نئے انداز میں پیش کرتے ہیں حضرت مولانا گنگوہی وغیرہ پر برطانوی حکومت نے فساد کا الزام لگایا اور ان بزرگوں نے اس سے انکار کر دیا، ان کا انکار بالکل صحیح تھا کیونکہ انہوں نے فساد میں قطعًا حصہ نہیں لیا تھا، البتہ فساد کی صورت ختم ہونے کے بعد جب منظم جہاد کی شکل پیدا ہوئی تو اس جہاد میں ضرور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جہاد فساد نہیں ہوتا بلکہ قاطع فساد ہوتا ہے ان لوگوں نے جدوجہد آزادی کو فساد سے تعبیر کیا جس میں بڑے بڑے علماء جیسے علامہ فضل حق خیر آبادی، کافی، کاکوروی وغیرہم بے شمار مسلمان عوام نے قربانیاں دیں جسے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی جنگ آزادی ان کے نزدیک فساد تھی اور مندرجہ بالا عبارت سے صاف اقرار ہے کہ انہوں نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بالکل مجاہد نہ تھے البتہ ان کے مریدوں نے ان کو مجاہد بنانے کی کوشش ضرور کی ہے یعنی اپنی کتب میں اسلام کے ان غداروں اور انگریز کے بہی خواہوں، اُن سے وظیفہ پانے والوں کو جنگ آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کر دیا ہے۔

غرض مجھے توضمناً یہاں یہ سمجھانا تھاکہ غیر منقسم ہندوستان، متحدہ ہندوستان میں جو آزادی کی لہر دوڑائی توسب سے پہلا شخص جس نے اس کا سنگ بنیاد رکھا وہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

اور عبدالحکیم خان اختر شاہجہاں پوری مزید لکھتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب کو یہ شبہ لاحق ہوجائے کہ تذکرۃ الرشید کتاب تاریخی لحاظ سے ناقابل اعتبار ہو یعنی دیوبندی حضرات کے نزدیک اس کے مندرجات مسلمہ نہ ہوں یا اسے تاریخی لحاظ سے کوئی اہمیت حاصل نہ ہو، لہٰذا ہم اس کتاب پر ان حضرات کے مایہ ناز مؤرخوں کی مہر تصدیق ثبت کروا دیتے ہیں۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، باب چہارم (۱۷)، ص ۲۶۸)

عبدالرشید فرماتے ہیں: "میرے کانوں میں مولانا غلام رسول مہر کے بار بار کہے ہوئے یہ الفاظ گونج رہے ہیں کہ تذکرۃ الرشید بہت عمدہ کتاب ہے۔ اسے پڑھ کر بڑا دل خوش ہوتا ہے، میں (غلام رسول مہر) نے سالک صاحب (عبدالمجید سالک) اور اپنے کئی دوسرے اصحاب کو یہ کتاب پڑھائی ہے، اس کتاب کو پڑھ کر مولانا رشید احمد گنگوہی کی عظمت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ (بیس بڑے مسلمان، (حاشیہ) ص ۱۹۲)

اور مولانا حسن علی میلسی نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ "تذکرۃ الرشید" جب چھپا تھا اس وقت ان کا آقا انگریز وہاں موجود تھا، حکومت کا کنٹرول اس کے ہاتھ میں تھا لہٰذا اس وقت انگریزی حکومت کو "رحمدل گورنمنٹ" اور (اس گورنمنٹ سے بغاوت کرنے اور جنگ آزادی لڑنے والے) مجاہدین کو باغی لکھا ہے اور خود کو سرکار انگلشیہ کا فرمانبردار ثابت کیا اور سرکار انگلشیہ کو اپنا "مالک و مختار" سمجھا، ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید ص ۷۳ تا ۸۰، پہلا حصہ۔

یاد رہے کہ تذکرۃ الرشید ۵ فروری ۱۹۰۸ء کا طبع شدہ ہے جب انگریز ہندوستان پر قابض تھا اس وقت انگریز کی قصیدہ خوانی میں ان کا مفاد تھا، اب جب انگریز مردود دفع ہوا اور ملک آزاد ہو گیا تو ان کا فائدہ اس میں ہے کہ انگریز کی تعریف نہ کی جائے اور دوسروں پر انگریز پرستی کے الزامات لگائے جائیں، لہٰذا انگریز کے جانے کے بعد ۱۳۷۳ھ میں چھپنے والی "سوانح قاسمی" میں شاملی اور تھانہ بھون کے وہ واقعات تلف کر دیے گئے کہ جن سے انگریز کی وفاداری اور انگریز پر جانثاری کا ثبوت ملتا تھا، ملاحظہ ہو سوانح قاسمی، جلد ۲۔ آج اگر انگریز ہوتا تو سوانح قاسمی میں وہی ہوتا جو تذکرۃ الرشید میں ہے، نئے اور جھوٹے واقعات گھڑنے کی نوبت نہ آتی۔ (برہان صداقت، ص ۱۱۲)

ہیں اور ان کا تعلق اہلسنت سے ہے۔ الحمدللہ! اہلسنت کو یہ فخر حاصل ہے کہ انگریز کے زمانے میں جنگ آزادی کرنیوالے ان کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے والے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ [37] اور ان کا وصال ۱۸۶۱ء میں ہوا۔ اور اس جنگ میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمنوا مجاہد اعظم مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے سچے سپاہی تھے [38] اور آپ آخر وقت تک باطل کے آگے جھکے نہیں، یہاں تک کہ

---

[37] جنگ آزادی اور اہلحدیث: جب کہ وہابیہ نے انگریز سے وفاداری کا ثبوت دیا، تقریراً تحریراً، قولاً عملاً ہر طرح انگریز کے خلاف جہاد کی مخالفت کی اور اس کے بدلے برٹش گورنمنٹ سے مراعات اور جاگیریں اور نقدر قوم حاصل کیں، چنانچہ اہل حدیث کے سرکردہ کے بارے میں ڈاکٹر ایوب قادری "تواریخ عجیب" یعنی "کالا پانی" از منشی محمد جعفر تھانیسری ص: ۸۶،۸۵ کے حواشی میں لکھتے ہیں: "جماعت اہلحدیث کے سرکردہ مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ/۱۳۲۸ھ) نے سرکار انگریزی سے موافقت اور وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کہ جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" تصنیف کیا۔ اس کتاب کے ترجمے اردو، انگریزی اور عربی میں ہوئے مولوی سعود عالم ندوی لکھتے ہیں: "اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے سرفراز ہوئے نہ صرف یہ ہوا بلکہ دوسرے معاصر علماء مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۸۶۱ء / ۱۲۷۸ھ) و حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) کو سرکار مخالفت کے طعنے بھی دیے، سعود عالم ندوی دوسری جگہ لکھتے ہیں: "معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں (مولوی محمد حسین بٹالوی) کو جاگیر بھی ملی"۔ جب کہ مولوی صاحب نے خود چار مربع بتائی۔ بحوالہ اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۲۷۷ (حواشی کتاب علامہ فضل حق خیر آبادی، تصنیف سلمہ سہول، ص ۹۳، مطبوعہ: الممتاز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء)

[38] مجاہد اعظم مولانا سید کفایت علی کافی: مولانا سید کفایت علی سنی بریلوی اعاظم علماء میں سے فرنگی سامراج سے ٹکرا جانے والی وہ شخصیت تھی کہ مراد آباد کی سرزمین جن کے مقدس خون کو آج تک دادِ وفا دے رہی ہے، آپ مراد آباد کے معزز ترین سادات کرام کے خاندان میں پیدا ہوئے، علوم عقلیہ و نقلیہ کے جلیل فاضل ہو کر شاعری میں یگانہ

آپ کو ۳۰؍ اپریل ۱۸۵۸ء کو مراد آباد میں پھانسی دے دی گئی، پھانسی کے وقت حضرت کی زبان پر جو اشعار تھے ان میں سے پہلا شعر ہے: ''کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا'' اور مولانا عبدالجلیل علی گڑھی جو انگریز کے خلاف جہاد

مقام حاصل کیا۔ علم حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ میں یگانۂ روزگار تھے، آپ کا نعتیہ کلام غزل کے پیرائے میں ہے، آپ نے قصائد سے گریز کیا کہ ان میں مبالغہ کی آمیزش ہوتی ہے، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا کافی اور حسن میاں کا کلام اول سے آخر تک شریعت مطہرہ کے دائرہ میں ہے، بلکہ مولانا کافی کو اعلیٰ حضرت سلطان نعت فرمایا کرتے تھے، جب تحریک آزادی ہند شروع ہوئی تو گویا مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاشمی خون پہلے سے ہی جذبۂ شہادت سے سرشار تھا، مولانا نے حوالیٔ مراد آباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا اور جدھر آپ کا رُخ ہوا برطانوی استبداد کے پرخچے اڑتے گئے، سلطان بہادر شاہ ظفر نے آپ کو بلایا اور جہاد کے مشورے کے لیے مولانا نے جنرل بخت خان، شیخ افضل صدیقی، شیخ بشارت علی خان، مولانا سبحان علی، نواب مجد الدین، مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی کی معیت میں مختلف محاذوں پر انگریزوں کو شکستیں دیں، رام پور اور مراد آباد کے اکثر معرکے سر کیے، بالآخر انگریزوں کے پٹھو کلال فخر الدین اور بعض خائنوں کی سازش سے ۳۰؍ اپریل ۱۸۵۸ء مطابق ۶ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ مولانا گرفتار کر لیے گئے اور مراد آباد جیل سے متّصل پر سرعام آپ کو انگریزوں نے تختۂ دار پر لٹکا دیا، پھانسی کے وقت مولانا مندرجہ ذیل اشعار بڑے نرم وذوق سے پڑھ رہے تھے:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا — پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہم صفیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا — بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو — اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ ولیکن حشر تک — نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

(دیوبندی مذہب، مولفہ مولانا غلام مہر علی، ص ۴۱۰-۴۱۱)

کرتے ہوئے شہید ہوئے اور جامع مسجد علی گڑھ میں مدفون ہیں[39] اور مجاہد اعظم مولانا سید احمد اللہ شاہ شہید مدراسی جنھوں نے میدان کارزار میں ۱۳/ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ کو جامِ شہادت نوش فرمایا[40]۔ ان کے علاوہ بے شمار علماء کرام ایسے بھی جنھوں نے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر

---

39 مولانا عبدالجلیل: علی گڑھ میں پیدا ہوئے، یگانۂ روزگار عالم تھے، بے شمار، افاضل نے آپ سے پڑھا، متقی عارف باللہ رہنما تھے تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین نے انگریزوں کو علی گڑھ سے نکال دیا تو زمامِ قیادت آپکے حوالے کی گئی، دوبارہ انگریزوں نے چڑھائی کی تو دشمن سے مقابلہ میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے، مولانا عبدالجلیل بھی ان شہداء میں حیات ابدی پاگئے اور اُن بہتر (۷۲) شہداء کے ساتھ جامع مسجد علی گڑھ میں دفن ہوئے۔

(دیوبندی مذہب، مؤلفہ مولانا غلام مہر علی، ص ۴۵)

40 مولانا سید احمد اللہ: مولانا غلام مہر علی لکھتے ہیں: آپ ۱۲۰۴ھ میں بمقام چنیاپٹن تعلقہ "پوناملی" ساحل دریائے شور متعلقات مدراس میں پیدا ہوئے، آپ کے والد نواب سید محمد علی ٹیپو سلطان شہید کے عظیم مقرب و مصاحب اور چنیاپٹن کے مختار نواب تھے، مولانا احمد اللہ شاہ نے قابل افاضل اور اساتذۂ عصر سے تمام علوم وفنون عربیہ اسلامیہ کی تکمیل کی اور متبحر عالم و یگانۂ روزگار متقی و پرہیزگار ہوئے، حیدرآباد و یورپ کی سیاحت کی، پھر حج سے مشرف ہوئے، پھر جے پور میں حضرت پیر قربان علی شاہ کے دست اقدس پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں سلوک طے کیا، پھر ٹونک پہنچ کر جہاد کے جذبات بیدار کیے، گوالیار میں پہنچ کر مشہور عارف پیر محراب شاہ قلندر سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، انگریزوں نے غدر کیا، علم جہاد بلند کرتے ہوئے حریت کے پروانے اور تحریک کے قائد اعظم کی حیثیت سے بخت خاں کے دست راست بن کر دہلی پہنچے، انگریزوں کو ناکوں چنے چبوادیئے، پھر آگرہ میں انگریزی استبداد سے ٹکرائے، پھر کانپور میں برطانوی پرخچے اڑائے، پھر لکھنؤ میں محاذ فتح کیے، پھر فیض آباد اور شاہجہان پور میں فرنگی سامراج کا ستیاناس کیا اور بالآخر یہ باکمال عالم بے مثال مجاہد، یگانۂ روزگار پیر فاتح اعظم بطل جلیل میدان کارزار میں ۱۳/ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو جامِ شہادت نوش فرماگئے۔

حصہ لیا جیسا کہ حضرت مولانا صدرالدین آزردہ [41] وغیرہ اور ان سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن کے نام بھی محفوظ نہ رہ سکے، ظالم تاریخ نویسوں نے کیا ظلم ڈھایا کہ جنہوں نے قربانیاں دیں،

تحریکِ آزادی کی تمام تواریخ اس بطل جلیل کے مفصل کارناموں سے مزین ہیں اور ان نامراد مؤرخین پر سخت افسوس ہے جنہوں نے مولانا شاہ احمد اللہ کو ننگِ دین، ننگِ وطن، سید احمد بریلوی و مولوی اسماعیل کے عزائم کا تکمیل کنندہ لکھ کر یا ان سے تعلق دار بنانے کے لیے خواہ مخواہ ان غداروں کو مولانا شاہ احمد اللہ کے حالات میں گھسیٹ کر ان کے مقدس عقیدہ و کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے، مولانا شاہ احمد اللہ خالص سنی حنفی صوفی عالم اور ممتاز مجاہد تھے۔ سید احمد و اسماعیل جیسے بد عقیدہ نام نہاد مجاہدوں سے شہید موصوف کا دور کا بھی تعلق نہ تھا، مولانا کے مجاہدانہ کارنامے آزادئ وطن کے لیے جوش و خروش مختلف محاذوں پر انگریزوں سے مقابلے اور بالآخر اللہ کی راہ میں شہادت تحریک آزادی کی مفصّل تواریخ میں دیکھیے اور سنی علماء کی دینی و ملّی خدمات کو بالتفصیل پڑھیے۔

(دیوبندی مذہب، مؤلفہ مولانا غلام مہر علی، ص ۴۱۳)

41 مفتی صدرالدین آزردہ: مولانا غلام مہر علی لکھتے ہیں تحریک آزادی ہند ۱۸۵۷ء میں جو خدمات حضرت مولانا مفتی صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہیں کسی سے پوشیدہ نہیں، قلم کو کیا طاقت کہ ان کے علم و فضل کے بحرِ بے کنار سے ایک موتی باہر لا سکے اور دفتر کے دفتر ان کے مکارم و محاسن کے لیے ناکافی، ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، اکثر علوم مولانا امام الہند فضل امام خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی شہید تحریک حریت سے حاصل کیے، حدیث شریف حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی محدث دہلوی سے پڑھی اور یگانہ روزگار عالم بنے، چار دانگ عالم میں ان کے علم و فضل کا چرچا ہوا، دہلی میں صدر الصدور رہے، انگریزوں کا اقتدار بڑھتا دیکھا تو تحریک آزادی کا جھنڈا اٹھایا، فتوائے جہاد کو نشر کیا، مجاہدین و اکابرین تحریک آزادی کی قیادت کی، تمام جائیدادیں تحریک پر خرچ کر دیں، ملک کے گوشہ گوشہ میں ان کے تلامذہ موجود ہیں، شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے، معقول، فلسفہ، ریاضی کے عدیم المثل استاذ تھے، فقہ کے ممتاز ماہر و مفتی تھے، خالص سنی حنفی، صوفی عالم و یگانہ روزگار امام العلوم تھے۔

جنگ آزادی میں تکلیفیں، اذیتیں، مصیبتیں برداشت کیں، ان کا نام تک تاریخ کے اوراق کی زینت نہ بنے اور جو عوام کے غدار اور انگریز کے وفادار تھے ان کو مجاہد اور جنگ آزادی کا ہیرو بنا دیا۔ مولانا محمد علی جوہر [42]

وہابیت کی بیخ کنی میں ان کی مساعی مشکورہ اور آزادئ ہند میں ان کی جد و جہد محتاج تعارف نہیں، آج تک وہابیوں دیو بندیوں میں نہ ایسا عالم پیدا ہوا نہ مجاہد، پنج شنبہ ۲۴/ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ بستی نظام الدین اولیاء دہلی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (دیوبندی مذہب، ص ۴۱۴)

[42] مولانا محمد علی جوہر بن عبد العلی (۱۸۴۸ء/۱۸۸۰ء) بن علی بخش (۱۸۱۳ء/ ۱۸۶۷ء) کی ولادت ۱۵/ ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ بمطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء بروز منگل رامپور (یوپی، بھارت) کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی عمر دو سال سے کم تھی کہ والد گرامی کی رحلت ہو گئی، آپ نے ابتدائی تعلیم رامپور اور بریلی میں حاصل کی، پھر علی گڑھ بھیج دیے گئے اور علی گڑھ میں آپ باغی طالب علم شمار ہوتے تھے۔ انگریز اسٹاف پر تنقید کرتے لڑکوں کو اُن کے خلاف منظم کرتے، ۱۸۹۸ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا، بڑے بھائی مولانا شوکت علی نے معاشی نامساعد ہونے کے باوجود آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا، ۱۹۰۲ء میں تاریخ میں آنرز کی ڈگری حاصل کی، علوم دینیہ میں دار العلوم فرنگی محل سے سند فراغت حاصل کی اور آپ حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے دست حق پر بیعت تھے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی تشکیل کے وقت آپ موجود تھے۔ مئی ۱۹۱۵ء میں جنگ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے آپ کو نظر بند کر دیا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں جب آپ قید فرنگ میں تھے آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا، آپ نے کلکتہ سے ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد'' کے مضامین، تنقیدی نوٹ اور حقائق کے انکشافات نے بر صغیر کے لوگوں کو بیدار کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۱/ جولائی ۱۹۲۱ کو آپ نے کراچی میں خلافت کانفرنس کی صدارت کی، آپ کے خطبۂ صدارت کو باغیانہ قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا اور جرم یہ عائد کیا گیا کہ آپ نے مسلم سپاہیوں میں سرکار انگریز کے خلاف مدد لی اور ناراضی پھیلائی۔ اس ریزولیشن کی تائید میں تقریر کرنے والے پیر غلام مجدد سرہندی (شکار پور، سندھ)، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد کانپوری وغیرہم بھی گرفتار ہوئے۔ اس مقدمہ میں دو سال قید ہوئی۔

عشق رسول آپ کا سرمایۂ حیات تھا، اتباع رسول اللہ ﷺ میں ہر وقت کوشاں رہتے، جوں ہی آنحضرت ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آتا آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، جب لاہور کے ایک متعصب اور دشمن اسلام راجپال نے رسوائے زمانہ کتاب شائع کی جس میں حضور کی حیات طیبہ پر نہایت رکیک اور بے ہودہ جملے کسے گئے تھے، اُدھر ہائی کورٹ نے بھی جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجرم کو صاف بری کر دیا تو آپ نے ایسا قانون پاس کرانے کی تحریک شروع کی، جس کی رو سے ایسے شخص کو جو انبیاء کرام اور دیگر مذہبی رہنماؤں کی توہین کا مرتکب ہو سزا دی جا سکے، چنانچہ آپ کی کوشش کامیاب ہوئی، آپ کا تیار کردہ مسودہ حاجی عبداللہ ہارون (۱۸۷۲ء/۱۹۴۲ء) نے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا جو کہ غیر معمولی اکثریت سے منظور ہو گیا۔ (تحریک پاکستان اور علماء کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری)

مولانا محمد علی اور شوکت علی دونوں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ نے ان دونوں کو ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کرنے پر تنبیہ کی تھی۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۱۲-۱۳)

کچھ اس کا اثر ہوا، پھر ان دونوں کے پیر اور مربی حضرت علامہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا اس باطل نظریہ سے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پر توبہ کر کے ان کی غیر منصوص فی الفقہ مسائل میں اعلیٰ حضرت کی غیر مشروط حمایت اور اطاعت کا اعلان کرنا اس کا بھی ان دونوں بھائیوں پر خاصا اثر ہوا کہ مولانا محمد علی جوہر نے پہل کی، چنانچہ بین الاقوامی مؤرخ، ماہر تعلیم ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں: ”اسی طرح مولانا محمد علی جوہر نے اپنی وفات سے تین ماہ قبل (خلیفہ اعلیٰ حضرت، آل انڈیا سنی کانفرنس کے داعی اور روحِ رواں) مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کے سامنے اپنی ہندو نواز سرگرمیوں سے توبہ کی، چند ماہ بعد مولانا شوکت علی نے بھی ایسا ہی کیا۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی ص ۱۳)

گول میز کانفرنس میں آپ کو شرکت کی دعوت دی گئی تو خلافت کمیٹی کے کانگریسی ممبروں نے آپ کے خلاف سیاہ جھنڈیوں سے مظاہرہ کرنے کی سعی مذموم کی، کانفرنس میں پہنچ کر آپ نے اعلان کیا کہ: ”میں ایک لمحہ کے لیے بھی تصوّر نہیں کر سکتا کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں اور پھر مسلمان میں یقیناً پہلے مسلمان ہوں اور کچھ بعد میں“۔

دوسری گول میز کانفرنس میں گاندھی نے بھی شرکت کی جس نے وائسرائے ارون کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا کہ آزادی کا مطلب مکمل آزادی نہیں بلکہ درجہ نوآبادیات ہی ہوگا، تاہم وہاں آپ نے اعلان کیا کہ: ”میں درجہ نوآبادیات کا قائل نہیں ہوں، میں تو آزادئ کامل کو اپنا مسلک قرار دے چکا ہوں، میں اس وقت تک اپنے غلام ملک میں واپس نہیں

دوسرے مولانا شوکت علی [43]

جاؤں گا جب تک آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں نہ دے دیا جائے گا، اگر تم نے ہمیں ہندوستان میں آزادی نہ دی تو تمہیں یہاں مجھے قبر کی جگہ دینی پڑے گی۔

اس تقریر کے بعد آپ کی حالت سنبھل نہ سکی اور بے ہوش ہو گئے اور اس قومی اور ملّی درد کی کسک میں ۴؍ جنوری ۱۹۳۱ء بروز اتوار دار فانی سے کوچ کر گئے۔ مولانا شوکت علی اور دوسرے مسلمان قائدین نے آپ کو غسل دیا، شام کو پینڈ نگٹن ہال لندن میں نماز جنازہ ادا کی گئی، آپ کا جسد خاکی بیت المقدس لے جایا گیا، جہاں مسجد اقصیٰ اور مسجد عمر کے نزدیک دفن کر دیا گیا۔ (ماخوذ از تحریک پاکستان اور علماء کرام، مصنفہ محمد صادق قصوری ص ۵۴ تا ۶۲)

43 مولانا شوکت علی بن عبد العلی (۱۸۴۸ء/ ۱۸۸۰ء) بن علی بخش (۱۸۱۳ء/ ۱۸۶۷ء) بن محبوب بخش (۱۷۷۰ء/ ۱۸۲۸ء) کی ولادت ۱۸۷۲ء میں رامپور (یوپی۔ بھارت) میں ہوئی، بچپن میں والد گرامی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ نے تعلیم و تربیت کا بار اٹھایا، علی گڑھ سے بی اے کیا، آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی جوہر نے میدانِ سیاست میں قدم رکھا تو آپ نے دل کھول کر ان کا ساتھ دیا، مولانا شوکت علی بہت اچھے منتظم تھے، تقریریں کم کرتے تھے، پہلی تحریک جو آپ نے منظم کی "انجمن خدام الکعبہ" تھی، جو ۱۹۱۳ء میں آپ کے پیر و مرشد مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے دولت خانہ پر قائم ہوئی، اس تحریک کا مقصد مقامات مقدسہ کی حفاظت اور برطانوی عزائم کا سد باب تھا، یہی وہ انجمن تھی جس نے حکومت برطانیہ کے خلاف برملا تحریک شروع کی، یہی وہ انجمن تھی کہ جس نے ممالک اسلامیہ کی طرف مسلمانان ہند کو متوجہ کیا۔

جنگ عظیم کے زمانے میں ترکی کی حمایت کی پاداش میں اپنے بھائی مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ پونے پانچ سال قید رہے، آپ بڑے بے باک اور نڈر اور جذبہ فروشی سے سرشار مسلمان تھے، کراچی کے معروف " خالق دینا ہال کیس" میں آپ کے عدالت سے گرج کر کہے ہوئے الفاظ اس کے عکاس ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اگر حکومت مسئلہ خلافت کے متعلق ہمیں مطمئن نہ کر سکی یا پنجاب (جلیانوالہ باغ امرتسر) کے بارے میں انصاف سے کام نہ لیا اور ہمیں مکمل آزادی نہ دی تو میرا فرض ہے کہ بحیثیت ہندوستانی مسلمان اس حکومت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی پوری

کوشش کروں گا"۔ اس کیس کی بناء پر آپ کو دو سال قید با مشقت ہوئی جو آپ نے نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کیے۔

۱۹۲۴ء میں کوہاٹ میں ہندو مسلم فساد ہوا تو گاندھی کے ساتھ وہاں تحقیقات کے لیے گئے، گاندھی نے جس طرح ہندوؤں کی طرف داری کی اور مسلمانوں کو فساد کا ذمہ دار ٹھہرایا، اس بات پر آپ نے گاندھی کو بالکل بے نقاب کیا، اس کے بعد پھر کبھی اس کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار نہ ہوئے۔

مولانا محمد علی جوہر کے انتقال کے بعد مولانا شوکت علی نے خلافت کمیٹی کے اندر کانگریسی مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی جن کا حال یہ تھا کہ ۱۹۳۰ء میں مجلس خلافت کے اجلاس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۱ء/۱۹۶۱ء) نے با قاعدہ یہ قرارداد پیش کی کہ گانگریس میں غیر مشروط طور پر شمولیت اختیار کر لی جائے، تو مولانا شوکت علی نے مسلمانوں کو اس اجتماعی خودکشی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ (تحریک پاکستان اور علماء کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری) اور آپ کی ہندو مسلم اتحاد کی حمایت سے دستبرداری اعلیٰ حضرت اور خلیفہ اعلیٰ حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور علامہ عبد الباری فرنگی محلی کی مرہونِ منت ہے، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی "علماء ان پالیٹکس" میں تحریر سے یہی ظاہر ہے۔

آپ نے جس خلوص کے ساتھ مسلم لیگ کی خدمت کی، اُسے ہر دلعزیز اور مقبول بنایا، اسے عوامی جماعت تک پہنچایا، اس کے محمد علی جناح بھی معترف تھے۔ ۱۹۳۴ء کے الیکشن میں آپ نے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر الیکشن لڑنے سے معذوری ظاہر کی تو جناح صاحب کے کہنے پر تیار ہو گئے اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے اور پھر کونسل کے اندر اور باہر مسلم لیگ کی ڈھال اور کانگریس کے لیے برہنہ تلوار بنے رہے۔ سخت گرمی اور بیماری کی حالت میں بھی مسلم لیگ اور قیام پاکستان کے لیے اگر کوئی کام ہو تو دور دراز کے سفر سے کبھی نہ گھبراتے۔

۹/اپریل ۱۹۳۸ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں مسلمانوں کا ایک شاندار جلسہ عام آپ کی صدارت میں منعقد ہوا، اس جلسہ میں آپ کی خدمات جلیلہ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا میری زندگی اسلام اور قوم کے لیے وقف ہے اور ان شاء اللہ اسی راہ میں جان دوں گا۔

اور اسی قسم کے حضرات حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی[44] کے ہاتھوں میں میدان سیاست آیا، اب کیا ہوا؟ انگریز کو ظلم کر کے ایک عرصہ بیت گیا تھا۔ اور اس عرصے میں یہ مسلم لیڈر

نومبر ۱۹۳۸ء کے آخری ہفتے میں آپ پر برنکائٹیس کا شدید حملہ ہوا، اسی حالت میں مسلم لیگ کے کام کے لیے آسام کے شہر شیلانگ کے دورے کا پروگرام بنایا، یکم دسمبر تاریخ روانگی طے پائی اور ۲۸ر نومبر کو اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے اور آخری آرام گاہ دہلی میں درگاہ سرمد شہید کے جوار میں بنی۔ (ماخوذ از تحریک پاکستان اور علماء کرام، مصنفہ محمد صادق قصوری، ص ۶۸ تا ۷۵)

44 حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی: حضرت مولانا عبدالباری بن مولانا شاہ عبدالوہاب (۱۸۴۶ء/۱۹۰۳ء) بن شاہ محمد عبدالرزاق (۱۸۲۲ء/۱۸۸۹ء) بن شاہ محمد جمال الدین بن ملا علاء الدین کی ولادت ۱۰ر ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ/ ۱۴ر اپریل ۱۸۷۸ء بروز اتوار فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی، سلسلہ نسب خواجہ عبداللہ انصاری مدفون ہرات کے واسطے سے سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

حفظِ قرآن کے بعد مولانا عبدالباقی فرنگی محلی (۱۸۹۶ء/۱۹۴۵ء)، مولانا غلام احمد پنجابی، مولانا احمد اللہ سندیلوی، مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی ثم لکھنوی (م ۱۹۲۵ء) اور مولانا غلام یحییٰ سے اکتساب علم کیا۔ پھر مولانا عبدالباقی نے اپنی مرویات مع مسلسلات وغیرہ کے اپنے سامنے پڑھوا کر اجازت عنایت فرمائی۔ علاوہ ازیں سید علی بن سید ظاہر وتری، شیخ الدلائل علامہ سید امین رضوان، علامہ سید احمد برزنجی مدنی، سید محمد باشلی حریری سے اجازت کتب حدیث حاصل ہوئی تھی اور اپنے نانا مولانا نور الحسنین سے بھی اجازت حدیث بسلسلہ عابد سندھی مدنی اور سید دحلان مکی عطا ہوئی۔

۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء میں حرمین شریفین اور عراق کا سفر اختیار کیا، رمضان المبارک میں بغداد پہنچے، حضرت نقیب الاشرف سید عبدالرحمٰن نے سلاسل طریقت کے علاوہ سند حدیث بھی مرحمت فرمائی۔

آپ نے درس تدریس کا پیشہ اختیار کیا، مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کو شہرت عام اور بقائے دوام تک پہنچایا اور سیاسی امور میں بھی پوری دلجمعی سے حصہ لیا اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ عالم دین سیاست میں شہسوار ہو سکتا ہے اور آپ نے مولانا حسرت موہانی (۱۸۷۸ء/۱۹۵۱ء) اور علی برادران کی روحانی و سیاسی تربیت کر کے تحریک آزادی کو جلا بخشی۔

۱۳ر اگست ۱۹۱۳ء کو کانپور کی مسجد مچھلی بازار کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت مولانا دیوانہ وار میدان میں کود ے اور بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ ”ہندو مسلم اتحاد“ کے حامی رہے لیکن ہندوؤں کی مفاد پرستی، مسلم دشمنی اور ابن الوقتی دیکھی تو حرف غلط کی طرح ”ہندو مسلم اتحاد“ کا خیال دل سے نکال دیا اور اپنی اس کوشش پر تادم زیست نادم وپشیمان رہے۔

(تحریک پاکستان اور علماء کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری)

یہ تو قصوری صاحب اور کچھ دوسروں کا نظریہ ہو گا جب بات چل نکلی ہے تو اس حقیقت کو بھی بیان کیے دیتا ہوں کہ علامہ محلی مرحوم کے دل میں ہندوؤں کی مسلم دشمنی دیکھ کر ضرور بیزاری آئی ہوگی اور ان کی ابن الوقتی دیکھ کر ترک حمایت کا خیال دل میں گزرا ہو گا، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ایک سچے مسلمان تھے اور بہت بڑے عالم تھے لیکن حقیقت میں علامہ عبد الباری ایک قومی نظریہ کی حمایت کو ترک کر کے دو قومی نظریے کا حامی ہو جانا اور اس کے لیے بھرپور جدو جہد کرنا امام اہلسنت امام احمد رضا کا مرہونِ منت ہے چنانچہ بین الاقوامی مؤرخ تحریک پاکستان کے عظیم رکن ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی کتاب ”علماء ان پالیٹکس“ میں لکھتے ہیں جس کے ایک باب کا ترجمہ ”نوائے وقت“ کے سب ایڈیٹر گل محمد فیضی نے کیا اور اُسے ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کو شائع کیا، چنانچہ ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی بعض تحریروں اور افعال پر اعتراض کیا جنہوں نے خود ان الفاظ میں اس کا حسین اعتراف کیا ہے۔ ”مجھ سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں، کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ مجھے ان پر ندامت ہے۔ زبانی تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے جنہیں میں نے گناہ تصور نہیں کیا تھا، لیکن مولانا احمد رضا بریلوی انہیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابل مواخذہ خیال کرتے ہیں، اُن سب سے میں رجوع کرتا ہوں جن کے لیے پیش روؤں کا کوئی فیصلہ یا نظریہ موجود نہیں، اُن کے بارے میں میں مولانا احمد رضا کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں“۔

اپنا یہ بیان مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے شائع کر دیا، مسلمانوں کو ہندو قیادت کی پیروی سے باز رکھنے کی جدو جہد جاری رہی۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۱۳)

آپ عاشق رسول ﷺ اور پابند شریعت تھے، مدت العمر سفر و حضر میں نماز با جماعت کا ناغہ نہ کیا، وفات سے چند سال قبل آپ کو زہر دے دیا گیا، بروقت معلوم ہو جانے پر فوراً امداد کیا گیا مگر مکمل فائدہ نہ ہوا، مزاج میں حدت پیدا

آپس میں سر جوڑ کر ساتھ بیٹھتے کہ کیا کرنا چاہیے انگریز سے نجات حاصل کرنے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے ؟ انگریز کو یہاں سے بھگانے کے لیے کیا طریقہ استعمال کیا جائے ؟ تحریک کو سمیٹتے ہوئے عرض کرتا ہوں تحریکیں تو بہت چلیں، پہلے تحریک یہ چلی کہ انگریز کو کیسے نکالا جائے ؟ ہندو اور مسلم میں اتحاد ہو جائے۔ ہندو اور مسلمان یہ دونوں متحد ہو کر تحریک چلائیں کہ ہم متحد ہیں انگریز کو نکالا جائے جب یہ تحریک اپنے عروج پر پہنچے گی تو ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ جب تحریک چلے گی تو اس کے دوران انگریز بھاگ جائے گا۔ جب انگریز بھاگ جائے گا تو انگریز اتنا سیدھا شریف النفس ہے کہ جب یہاں سے بھاگے گا تو یہ بیٹھ کر فیصلہ کرے گا کہ ہم نے حکومت مسلمانوں سے لی تھی، بہادر شاہ ظفر سے لی تھی، ٹیپو سلطان سے چھینی تھی تو اب ہمیں یہ حکومت مسلمانوں کے حوالے کر کے جانا چاہیے۔

کیا انگریز جاتا تو اقتدار مسلمانوں کے سپرد کر کے جاتا؟ نہیں نہیں !! اس میں گاندھی اور اس کا ٹولہ ایمرجنسی میں ساؤتھ افریقہ سے آیا، آنے کے بعد اس نے ہندوؤں کی کمان سنبھالی۔ بڑی

ہو گئی تھی، پھر روز بروز صحت گرتی چلی گئی، یہاں تک کہ ۲ ر رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۷ر جنوری ۱۹۲۶ء بروز اتوار پونے چار بجے سہ پہر جب کہ آپ نماز عصر کی ادائیگی کا ارادہ فرما رہے تھے دفعتہً داہنی جانب فالج کا شدید حملہ ہوا اور ۴ر رجب المرجب ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹ر جنوری ۱۹۲۶ء بروز منگل تقریباً گیارہ بجے شب آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کی وفات پر خانوادہ بریلی کے فرد فرید حضرت مولانا مفتی تقدس علی خان رضوی (۱۹۰۷ء/ ۱۹۸۸ء) نے "آہ .... آہ کہ برج علم کا نیرّ اعظم غرق بحر حنا ہو گیا" کے زیر عنوان خراج تحسین پیش کیا اور دار العلوم "منظر الاسلام بریلی" میں آپ کے سوئم کے سلسلے میں ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی اور شیرینی تقسیم کی گئی اور علماء و طلباء نے دعائے مغفرت فرمائی۔ (ماخوذ از تحریک پاکستان اور علماء کرام، مصنفہ محمد صادق قصوری، ص ۱۳۱ تا ۱۷۱)

چالاکی اور چابک دستی سے اس تحریک کو اجاگر کیا کہ ہندو مسلم بھائی بھائی کہ پہلے انگریز کو یہاں سے نکالا جائے۔

آپ جانتے ہیں اس کے مضر اثرات کیا ہوئے ؟؟ بڑے بڑے ہمارے لیڈر گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے اور آپ کو سن کر حیرت ہوگی مولانا محمد علی جوہر گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے، مولانا شوکت علی، جناب مولانا عبد الباری لکھنوی فرنگی محلی بھی گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے [45]، خود ہمارے بانی پاکستان محمد علی جناح صاحب بھی گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے۔ [46]ہوا یہ کہ ہندو اور مسلم میں اتنا گٹھ جوڑ ہو گیا، اتنا گٹھ جوڑ ہو گیا کہ اب جگہ جگہ نعرے لگنے لگے "ہندو مسلم بھائی

---

[45] جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے ہندوؤں کی مفاد پرستی، مسلم دشمنی اور ابن الوقتی سے تنگ آکر بدظن ہو گئے، پھر اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا کے اصلاح فرمانے سے انہوں نے "ہندو مسلم اتحاد" کا خیال حرف غلط کی طرح دل سے نکال دیا اور اپنی اس غلطی پر ہمیشہ نادم رہے، چنانچہ محمد صادق قصوری لکھتے ہیں: " انہوں نے اپنے اس فعل پر سخت ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا اور بوقت آخر بھی وصیت نامے میں اپنی غلطیوں سے معافی چاہی، ان کی وفات کے دوسرے روز اُن کے وصیت نامے کی وہ دفعہ پڑھی گئی، جس سے مخلصین خصوصاً اور عامۃ المسلمین سے عموماً اپنی غلطیوں سے معافی چاہی، یہ دفعہ مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی نے بلند مگر گلوگیر آواز سے سنائی، حاضرین کے دل فگار اور آنکھیں اشکبار تھیں، مولانا محمد علی جوہر تو خون کے آنسو رو رہے تھے"۔ (تحریک پاکستان اور علماء کرام، مصنفہ محمد صادق قصوری، ص ۳۷-۳۸)

[46] کیونکہ محمد علی جناح پہلے کانگریس میں رہے چنانچہ شریف المجاہد لکھتے ہیں: "جناح اگرچہ شروع میں کٹر کانگریسی تھے، اس کے باوجود مسلمانوں میں وہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ (ص ۳۴) اور ان کی کانگریس سے ڈوری کے متعلق لکھتے ہیں: "اس طرح پینڈرل مون کے الفاظ میں گاندھی کے عروج کے ساتھ ہی جناح کانگریس سے دور ہو گئے"۔ (قائداعظم حیات و خدمات، ص ۴۸)

بھائی'' یہ نعرہ لگایا گیا کہ ہندو مسلم بھائی بھائی، انگریز کو یہاں سے نکالا جائے۔ پھر ایک تحریک چلی اکھنڈ بھارت کیا مطلب؟ کہ مسلمان اور ہندو دونوں ایک ہو جائیں اور انگریز کو یہاں سے نکالیں یہ تحریک تھی اکھنڈ بھارت۔ ایک تحریک چلی 'ترک موالات' وہ کیا تھی؟ وہ یہ تھی کہ انگریز کے مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔ انگریز کے جتنے عہدے ہیں سب واپس کر دیے جائیں جتنے اس کے بیج، بلے اعزازات کارکردگی کے تھے یہ سب انگریز کو واپس کر دیے جائیں۔ انگریز کی سرکاری ملازمتیں چھوڑ دی جائیں۔

اس تحریک کے چلنے میں جتنے مسلمان تھے سب نے اپنے بیج دے دیے، اپنے اعزازات واپس کر دیے، انگریزوں کی ملازمت چھوڑ دی جب ہندوؤں اور مسلمانوں میں یہ (Pact) معاہدہ ہوا تھا کہ سب انگریز کی ملازمت چھوڑ دیں گے تو معاہدہ یہ تھا کہ مسلمان ایک ہندو تین (3:1) کا تناسب یعنی کوئی ایک مسلمان اپنے عہدہ کو چھوڑے تو تین ہندوؤں کو بھی چھوڑنا ہوتا کوئی ایک مسلمان نوکری چھوڑے تو تین ہندو نوکری چھوڑ دیں کیونکہ مسلمان اقلیت میں تھے اور ہندو اکثریت میں تھے۔ اب چاہیے تو یہ تھا ایک مسلمان کے بدلے تین ہندو نوکریاں چھورتے مگر اس ہندو بدمعاش نے ایسا ہی کیا جیسا کہ ان کے لیڈروں نے ان کے کانوں میں کھوپ رکھا تھا۔ مسلمان تو معاہدے کے تحت نوکریاں چھوڑنے لگ گئے۔ اعزاز واپس کرنے لگ گئے یہاں تک کہ آپ کو حیرت ہوگی کہ ہمارے یہاں پاکستان میں سب سے بڑا فوجی اعزاز نشان حیدر ہے۔ انگریز کے زمانہ میں وکٹوریہ کراس (Victoria Cross) تھا۔ یہ انتہائی فوجی اعزاز تھا اور وہ وکٹوریہ کراس ایسا اعزاز تھا کہ جب آدمی لگا کر ہندوستان میں وائسرائے (Viceroy) کے سامنے چلا جائے تو اس کے بیج وکٹوریہ کراس کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو کر اس کا ادب کرتا تھا۔

گورنر کے پاس چلا جائے وہ کھڑا ہو جائے۔ بڑی بڑی جگہ پر چلا جائے اس اعزاز کے پاس میں وہ سب کے سب کھڑے ہو جائیں۔ جس کو یہ اعزاز ملتا اس کو بڑی مراعات حاصل تھیں۔ ساری زندگی کے لیے VIP ہی نہیں بلکہ VVIP (Very Very Important Person) اہم ترین شخصیت بن جائے، گویا کہ وہ بہت بڑا اعزاز تھا اس کو تک لوگوں نے واپس کر دیا۔

اس دور میں مولانا محمد علی جوہر لوگوں کے ذہنوں میں اور سیاست پر چھائے ہوئے تھے، ابوالکلام آزاد[47] لوگوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا، مولانا شوکت علی لوگوں کے ذہنوں پر

---

[47] ابوالکلام آزاد: مولانا ابوالکلام آزاد متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء گاندھوی قبیلے کی ممتاز منفرد ہستی تھے، موصوف کی گاندھویت کے بارے میں مولوی شریف الحسن ناظر لکھنوی نے یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے: ”ہندوستان کی سیاست کے اس انقلابی دور میں حضرت مولانا کی پہلی ملاقات گاندھی سے ۱۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ہوئی، جہاں مسئلہ ترکی و خلافت کے متعلق وائسرائے سے گفتگو کرنے کے لیے تمام ممتاز ہندو مسلمان لیڈر جمع ہوئے تھے، اس موقع پر آنجہانی تلک بھی موجود تھے اور وہی دن تھا جب مولانا اور گاندھی جی کے درمیان محبت اور خلوص کا ایسا رشتہ قائم ہوا جو گاندھی جی کے آخری دم تک قائم رہا۔ (بیس بڑے مسلمان، ص ۲۷۹ مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء)

اور مولانا آزاد مسلم لیگ اور پاکستان دشمنی میں دوسروں سے بڑھ کر تھے، چنانچہ موصوف کے بارے میں زمانہ قریب کی ایک نامور شخصیت یعنی خواجہ حسن نظامی دہلوی کے تاثرات ملاحظہ کیجئے: ۱۹۰۸ء میں مسٹر زاہد سہروردی کے مکان پر انہوں نے حسن نظامی کے ایک کاغذ پر یہ لکھا تھا ”سب باتیں منظور ہیں باستثنائے شرکت مسلم لیگ، گویا ۳۴ سال پہلے بھی وہ مسلم لیگ سے اتنے ہی بیزار تھے جتنے آج کل ہیں اگر مولانا ابوالکلام کو ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ اکبر اعظم کی طرح ہر قوم میں مقبول ہوں“۔ (بیس بڑے مسلمان، مصنفہ عبدالرشید، ص ۷۱۵، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء)

اور پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب، حضرت خواجہ حسن نظامی سجادہ نشین خواجہ نظام الدین کے ذکر کے تحت لکھتے ہیں کہ آپ نے کُل ہند کی بنیادوں پر چشتی برادری قائم کی، اس میں اپنے تمام عقیدت مندوں کے علاوہ اہم سیاسی شخصیات کو بھی شمولیت کی دعوت دی، شرط یہ رکھی کہ اس برادری کا ہر فرد مسلم لیگ کی حمایت کرے۔

ابوالکلام آزاد نے اُن کی دعوت پر لکھا چشتی برادری کا رکن تو بن سکتا ہوں مگر مسلم لیگ کی حمایت نہیں کر سکتا۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، تحریک پاکستان اور مشائخ، مجریہ، محرم الحرام ۱۴۱۰ھ / اگست ۱۹۹۰ء، جلد (۲۰)، شمارہ (۱۱)، ص ۷۶) اور موصوف کی غیرت اسلامی سے محرومی اور ان کے سیاسی عزائم اور نہرو اور گاندھی سے دوستی کو دیکھ کر ان کے ہم مسلک ظفرعلی خان یوں گویا ہوئے

ابو الکلام آزاد سے پوچھتے ہیں دل جلے — آج کل تم پیشوائے امت مرحوم ہو
کیا خطا کوئی بھی سرزد تم سے ہو سکتی نہیں — تم بھی کیا پاپائے روما کی طرح معصوم ہو
نہرو گاندھی کے دل کا حال تم جانو اگر — پھر ذرا تم کو بھی قدرِ عافیت معلوم ہو
کٹ کے اپنوں سے ملے ہو تم اغیار سے — پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو
ہم مسلمان ہیں جو ہیں اوج سعادت کے ہما — آئیں اس کے سایہ میں ہم کسی طرح جو بُوم ہو
تم یہ کہتے ہو کہ مسلم لیگ ہے رجعت پسند — تم کہاں کے ہٹلرِ وقت اے مِرے مخدوم ہو
کیا تماشا ہے کہ نہرو ہو ہمارا ترجمان — اور غلامی کفر کی اسلام کا مقسوم ہو
کیا تماشا ہے کہ ہم گاندھی کے آگے سر جھکائیں — کیا قیامت ہے کہ جو حاکم ہے وہ محکوم ہو
اے خدا راہِ ہدایت اس مسلماں کو دکھا — غیرتِ اسلام کی دولت سے جو محروم ہو

(چمنستان، مصنفہ ظفرعلی خان، ص ۹۲ مطبوعہ لاہور)

عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری نے ابوالکلام آزاد کے نظریات و افکار اور عملی اقدامات کا یوں تجزیہ کیا چنانچہ لکھتے ہیں: ”اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب ابوالکلام آزاد کیا چاہتے تھے؟ کیا وہ بھی گاندھی کی جادوگری کا شکار ہو گئے تھے؟ احقر کا جواب (قطع نظر اس کے کہ وہ کسی کی نظر میں صحیح ہے یا غلط) نفی میں ہے، ابوالکلام اور گاندھی کی پہلی ملاقات ۱۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ہوتی ہے لیکن آزاد صاحب اس ملاقات سے پہلے ”متحدہ قومیت“ کے حامی اور ”ہندو مسلم اتحاد“ کے زبردست مبلغ تھے، موصوف اپنے اس سیاسی و دینی نظریہ کی ”الہلال“ کے ذریعے کھل کر تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے مسلمانوں کو دورِ حاضر کا ابوالفضل بن کر برابر راغب کر رہے تھے کہ وہ ہندوؤں کو بھی اپنا بھائی سمجھیں اور یہ خیال قطعاً اپنے دل میں نہ لائیں کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور ہندو الگ نہیں بلکہ ہندو ہوں یا مسلمان،

چھا گئے ۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی لوگوں کے ذہنوں پر چھا گئے ۔ نہرو، گاندھی یہ سب لوگوں کے ذہنوں پر چھا گئے کہ انگریز کو یہاں سے نکالا جائے۔ لیکن اس نعرہ ہندو مسلمان بھائی بھائی کے بہت سے مضر اثرات ہوئے۔ مسلمان بے روزگار ہونے لگ گئے۔ مسلمانوں نے نوکریاں چھوڑنی شروع کر دیں۔ اپنے اعزازات واپس کر دیئے اور سب سے بڑا بھیانک نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں شادیاں شروع ہوگئیں ۔ اس زمانے میں وہابیہ نے بڑا شاندار کردار ادا کیا انہوں نے یہ کہا کہ جب قربانی کا موقع آتا ہے عید الاضحیٰ میں ہم جو گائے ذبح کرتے ہیں، گائے ذبح کرنے سے ہندوؤں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ گئو

ہندوستان کے سارے باشندے ایک ہی قوم کے فرد ہیں اور اس قوم کا نام ہندو یا مسلمان نہیں، بلکہ "ہندوستانی" ہے"۔ ابوالکلام آزاد اپنے مخصوص نظریات و عزائم کی بنا پر اپنے دور کے ابوالفضل بن کر اکبر اعظم کی تلاش میں تھے اور ادھر گاندھی جو ہندوستان کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا تھا، اس نے اس مقام پر پہنچ کر ماڈرن اکبر اعظم بننے کی غرض سے اس کے "دینِ الٰہی" کو گاندھویت کی شکل میں پورے ملک پر مسلط کرنے کی غرض سے اپنے دور کے ابوالفضل کی راہوں میں دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھے۔ ۱۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو گاندھی اور ابوالکلام ملے، نہیں نہیں، اپنے دور کے اکبر اعظم اور ابوالفضل ملے، دونوں بامراد ہوگئے، اکبر اعظم کو اپنا ابوالفضل مل گیا اور ابوالفضل کو اپنا اکبر اعظم ہاتھ آ گیا، نہ گاندھی ابوالکلام کا مرید تھا نہ ابوالکلام گاندھی کا، دونوں ایک دوسرے کی مراد تھے، دونوں ایک دوسرے کے عزائم کی تکمیل کا سب سے بڑا سہارا تھے، اگر مغل اعظم اور ابوالفضل اکٹھے نہ ہوتے تو تاریخ کے اوراق میں دین الٰہی کا نام تک نہ تھا، اس طرح گاندھی اور ابوالکلام مل جل کر ایک ہی منزل پر گامزن نہ ہوتے تو گاندھویت" کے نام سے بھی ابنائے زمانہ کے کان ناآشنا رہتے، ظفر علی خان نے اس لیے تو کہا تھا:

کہہ دے یہ اُن سے بھول گئے کیوں حرم کو آپ　　　آئیں ابوالکلام جو وردھا سے گھوم کر

(برطانوی مظالم کی کہانی، ص ۸۷۱-۸۷۲)

ہماری ماتا ہے وہ اس کو خدا مانتے ہیں۔ ہندوؤں میں ایک طبقہ ایسا ہے جس کے تصور سے ذہن میں گھن آتی ہے وہ گائے کا پیشاب بطور تبرک کے پیتا ہے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہندوؤں کا وہ طبقہ جو گائے کو گئوماتا کہتا ہے اگر گائے کسی ایسے ہندو کے دروازے پر پہنچ جائے تو جناب وہ کیا کرتا ہے؟ کہ وہ ایک برتن پہلے سے تیار رکھتا ہے، پہلے گائے کی ضیافت کرتا ہے فوراً ایک برتن تیار کر کے اس کے سامنے کھڑا ہو جائے گا کہ گئوماتا صاحبہ ہمارے اس برتن سے کچھ کھالے تو ہمیں برکت ملے گی اور اگر گائے نے کھاتے کھاتے پیشاب شروع کر دیا تو ہندو برتن لگادے گا اور برتن لگانے کے بعد اب یہ گائے کا پیشاب لاکر پھر اس پیشاب کو اپنے مکان میں تبرک کے طور پر چھڑکتا ہے۔ مٹھائی کی دکان والا بھی اس تبرک کو ساری مٹھائی کی پلیٹوں پر چھڑکتا ہے۔ پرچون والا سارے پرچون پر چھڑکتا ہے۔ مختلف دکاندار گائے کے پیشاب کو بطور تبرک مختلف طریقوں سے اپنی دکانوں میں استعمال کرتے ہیں۔ غرض کہ وہابیہ نے فتویٰ دیا لوگوں گائے کو ذبح نہ کرو اس سے ہمارے بھائی ہندو کو تکلیف ہوتی ہے اس طرح انہوں نے اپنی ہندوؤں سے محبت اور وابستگی کا ثبوت دیا۔

۱۸۹۷ء میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجددِ دین و ملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اپنے شباب کے عالم میں تھے جب دیکھا کہ ہندو مسلمان ایک ہوئے جا رہے ہیں، نکاح، شادی بیاہ ہوئے جا رہے ہیں آپ نے اپنا مذہبی فریضہ انجام دیتے ہوئے پٹنہ (Patna) میں سنی کانفرنس کرنے کے بعد دو قومی نظریہ (Two Nation Theory) سب سے پہلے امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا اور اس میں امام اہلسنت نے واشگاف آواز میں اعلان کیا

لباس خضر میں یہاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر جینے کی خواہش ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

"میرے عزیز مسلمانوں! ہندو الگ قوم ہے اور مسلمان الگ قوم ہے اور سنو ہمارے سرکار جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ" ، کفر ملتِ واحدہ ہے"۔ کفر اگر برطانیہ کا ہو کفر ہے، کفر اگر امریکا کا ہے تو کفر ہے، کفر اگر ہندوستان کا ہے تو کفر ہے کیونکہ کفر ایک ملت ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ امریکا کا کفر اور ہے یہاں کا کفر کچھ اور ہے۔ تم نے ہندوستان کے کفر کو اختیار کرلیا ہے یہاں ہندو سے تم نے صلح کرلی اور یہ سمجھے کہ انگریز حکومت دے کر جائے گا نہیں ایسا نہیں"۔

گاندھی اور اسکی ذریّت بھی یہی چاہتی تھی کہ مسلمانوں سے مدد لے کر انگریزوں کو بھگادیا جائے اور اکثریت میں تو ہندو ہیں یہ تمام سیاست پر اور پورے ہندوستان پر چھاجائینگے اور مسلمانوں کو دوبارہ سے کچل دیا جائے گا۔ مگر مولانا شوکت علی نہیں بھانپ پائے۔ مولانا عبدالباری اس کو نہیں بھانپ پائے، دیگر علماء وزعماء اس کو نہیں بھانپ پائے مگر اس میں شک نہیں کہ اس معاملے میں یہ سب کے سب مخلص تھے کہ مسلمانوں کو آزادی ملنی چاہیے مگر ان کا سیاسی نقطہ نظر غلط تھا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر بریلی شریف آئے۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا "مولانا! آپ کی سیاست میں اور ہماری سیاست میں بڑا فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف، یعنی ہماری سیاست یہ ہے کہ پورے ہندوستان کے سنی مسلمانوں کو ایک جگہ کیا جائے

اور آپ کی سیاست یہ ہے کہ ہندو مسلمان مل کر انگریز کو بھگائیں اس لیے ہماری آپ سے نہیں بنے گی"۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی اپنی کتاب "علماء ان پالیٹکس" میں اس کا ذکر کیا ہے۔[48] اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اتحاد ہو تو یہ لیجیے (اس غربت کے دور میں جس زمانہ میں پیسے کی بڑی ویلیو تھی اپنی جیب خاص سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے) پچاس روپے مولانا محمد علی جوہر کو چندہ دیا کہ لیجیے مسلمانوں میں اتحاد قائم کیجیے۔ اکھنڈ بھارت کو چھوڑیے۔ پس امام اہلسنت نے ۱۸۹۷ء میں دو قومی نظریہ پٹنہ سنی کانفرنس میں پیش کر دیا۔ پس اعلیٰ حضرت نے جو یہ دو قومی نظریہ پیش کیا تاریخ گواہ ہے کہ دو قومی نظریہ جو ڈاکٹر اقبال نے ۱۹۲۱ء میں الہ آباد کے جلسے میں پیش کیا کہ میرے ذہن میں ایک نقشہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک الگ مملکت ہونی چاہیے جو مسلم آبادیاں ہیں وہ مسلمانوں کو مل جائیں جہاں ہندو ہیں وہ علاقے ہندوؤں کے زیر اثر آجائیں۔

---

[48] علی برادران احمد رضا کی بارگاہ میں: تحریک پاکستان کے رکن عالمی شہرت یافتہ ممتاز مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ "تحریک خلافت کے آغاز میں عدم تعاون کے فتویٰ پر دستخط لینے کے لیے علی برادران اُن (یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے جواب دیا: "مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف"۔ اور جب مولانا نے یہ دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا: "مولانا میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں، میں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں"۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، علماء ان پالیٹکس، ص ۱۲) ..... نوٹ: ..... یاد رہے کہ علی برادران بعد میں ایک قومی نظریہ سے تائب اور دو قومی نظریہ کے قائل ہو گئے۔ جیسا کہ اس کا ذکر حواشی میں کیا جا چکا ہے۔

غور فرمائیے کہاں ۱۸۹۷ء اور کہاں ۱۹۲۱ء کا اجلاس جہاں یہ نقشہ پیش کیا گیا۔ اس معاملے میں علامہ اقبال، اعلیٰ حضرت سے پیچھے ہیں اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تو ۱۸۹۷ء میں ہی یہ نظریہ پیش کر دیا تھا[49] اور اس زمانہ میں پیش کیا جس زمانے میں بانی پاکستان محمد علی جناح بھی ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے مولانا محمد علی جوہر اور دیگر سب اسی اتحاد کے گرویدہ تھے۔ عزیزانِ گرامی! مگر وقت نے بتایا کہ امام اہلسنت نے ۱۸۹۷ء میں جو نظریہ پیش کیا تمام مسلم جماعتیں سر جوڑ کر بیٹھیں اور انہوں نے فیصلہ کیا خصوصاً مسلم لیگ نے اور وہ یہ تھا کہ: "اب ہمیں انگریز سے بھی جان چھڑانی چاہیے اور ہندو سے بھی جان چھڑانی چاہیے اور مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے اپنے ملک کے لیے جدو جہد کریں اور جب علیحدہ اپنے ملک کے لیے جدو جہد کریں گے تبھی ہم کامیاب ہوسکتے ہیں"۔

عزیزان گرامی! یہ سلسلہ چلا لیکن آزادی سے پہلے مولانا محمد علی جوہر چلے گئے۔ مولانا شوکت علی چلے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے خیر خواہ تھے۔ جب وہ لوگ گول میز کانفرنس (Round Table Conference) لندن میں گئے تو مولانا محمد علی جوہر نے کہا "میں تو مر کے جاؤں گا یا آزادی لے کر جاؤں گا"۔ آزادی تو نہ ملی مگر ان کا راستے میں انتقال ہو گیا۔ یہ ان کے اخلاص کا ثمر تھا کہ مولانا محمد علی جوہر بیت المقدس میں دفن کیے گئے لیکن آج ہمیں یہ بات کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ بیت المقدس میں ایک دو نہیں ہزاروں انبیائے کرام کے مزارات ہیں وہ بیت المقدس جو مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے، وہ بیت المقدس جس میں حضور

[49] اسی طرح "تاریخ آزادی ہند اور مشائخ و علماء کا کردار" (ص ۱۲) میں ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے شب معراج امامت فرمائی اور تمام انبیائے کرام نے حضور رحمت عالم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے آج یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ ناپاک یہودیوں کے پیروں تلے وہ زمین ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس قبلۂ اول کو آزاد فرمادے۔ وہ قبلۂ اول جس کی دیواریں سر اٹھا اٹھا کر کسی سلطان صلاح الدین ایوبی کو تلاش کررہی ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے سولہ برس لڑکر بیت المقدس کا ایک انچ حصہ کسی کو نہیں دیا اور آج کیل و کانٹے سے لیس مسلمان کتنی بڑی قوت بنے ہوئے ہیں۔ مگر یہودیوں نے اتنا بڑا اور مکرم خطہ مسلمانوں سے لے لیا اور محض مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے وہ چلا گیا۔ لیکن ضمناً میں یہاں یہ بات عرض کردوں اس کا خلاصہ میں تقریر کے آخر میں کروں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ بیت المقدس مسلمانوں کی غفلت سے گیا، وہ قبلۂ اول مسلمانوں کی بداعمالیوں سے گیا۔ اگر یہی بداعمالیاں پاکستان میں رہیں اور اگر یہی بداعمالیوں کا دروازہ اور پھاٹک پاکستان میں کھلا رہا میں آپ سے فیصلہ چاہتا ہوں بتائیے کہ کیا پاکستان بیت المقدس سے زیادہ متبرک ہے؟؟ کیا پاکستان بیت المقدس سے زیادہ مکرم و محترم ہے؟؟ دیکھو عزیزو! بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلا گیا، مسلمانو! اگر تم نے اپنی روش تبدیل نہیں کی۔۔۔ تو خدانخواستہ کوئی عجب نہیں کہ لاکھوں جانوں کو قربان کرکے جو پاکستان بنا ہے شاید یہ بھی تمھارے ہاتھ سے چلا جائے۔ اگر تم نے اس نعمت کی قدر نہ کی تو یہ ممکن ہے۔ تحریک آزادی کا نقشہ بدل گیا۔ مسلمانوں کی متحدہ مسلم لیگ بنی اور اس کے قائد بغیر کسی اختلاف کے بانی پاکستان محمد علی جناح قرار پائے اور اس کے بعد ایک تحریک چلی اور ایسی زبردست تحریک چلی کہ جس نے انگریزوں کی چولھیں ہلادیں اور اس تحریک کو کامیاب بنانے میں سنی

مشائخ وعلماء کا بہت بڑا کردار تھا جن کی اکثریت ''آل انڈیا سنی کانفرنس''[50] کے پلیٹ فارم سے ۱۹۲۵ء سے کام کر رہی تھی، اور ان کی ایک بڑی تعداد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بھی کام کر

---

[50] آل انڈیا سنی کانفرنس کی تاسیس: یادرہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس (۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء) کے روح رواں، بانی منتظم اور ناظم اعلیٰ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری تھے، اور اس کا پہلا تاسیسی چار روزہ اجلاس ۲۰ تا ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ/ ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو مراد آباد میں منعقد ہوا جس کے داعی حضرت صدر الافاضل تھے اور اس میں امام اہلسنت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام حامد رضا نے خطبہ استقبالیہ جب کہ خطبہ صدارت شیخ المشائخ سید علی حسین شاہ اشرفی نے دیا۔

اس پہلی کانفرنس میں شرکت کرنے والے عینی شاہد حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (مدیر ماہنامہ اشرفی کچھو چھا شریف) نے کانفرنس کی کاروائی دیکھی اور شائع کی، چنانچہ اس کے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں، آپ نے لکھا: ''یہ کانفرنس کسی طرح شروع ہو کر ختم ہوئی، اس کے متعلق بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مجموعی حیثیت سے ہندوستان میں قومی قوت کے اس درجہ شاندار جلسہ کی مثال نہیں مل سکتی۔ وہ حضرات جن کے سامنے ہندوستان کا مشرق و مغرب ہے اور جنہوں نے ایسے جلسے دیکھے ہیں جن کا تذکرہ بھی ہم لوگوں کو عجیب معلوم ہوتا تھا، ان کا بیان ہے کہ اس قدر منظم و باقاعدہ و پر شوکت جلسہ کبھی نظر سے نہیں گزرا اور نہ شرکت سے پہلے گمان تھا کہ کانفرنس کا افتتاح اس شان و شوکت سے ہوگا۔ (ماہنامہ کچھوچھا، جلد ۳، شمار ۵۰، مجریہ شوال ۱۳۴۳ھ/ مئی ۱۹۲۵ء، ص ۱۵)

اہلسنت کے جن جلیل القدر علماء کرام، مشائخ عظام نے اس کانفرنس میں شرکت فرمائی اور ملت اسلامیہ کی بروقت رہنمائی کی، ملت کے منتشر اور بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کیا، ان سب کے نام تو میسّر نہیں، تاہم چند اسماء گرامی جو محفوظ رہ گئے تھے وہ یہ ہیں: شیخ المشائخ مولانا سید محمد علی حسین اشرفی جیلانی (کچھوچھا ضلع فیض آباد)، ہادی امت حضرت مولانا سید احمد اشرف جیلانی (کچھوچھا)، محدث جلیل حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی (کچھوچھا)، امیر ملت مولانا سید جماعت علی محدث علی پوری (ضلع سیالکوٹ)، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری برکاتی (زیب آستانہ رضویہ، بریلی)، شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی الوری، مولانا صاحبزادہ محمد اشرف، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری (پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی)،

رہی تھی جن میں مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی اور مبلغ اسلام و شارح نظریہ پاکستان علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی وغیرہم نے سب سے نمایاں کردار ادا کیا، بہرحال سنی مشائخ و علماء کی دن رات محنت اور مسلم لیگی قیادت کی رہنمائی اور کارکنان کی سعی نے عوام المسلمین کے دلوں میں آزادی اور حصول پاکستان کی ایسی جستجو پیدا کر دی کہ بڑے تو بڑے بچہ بچہ کہنے لگا کہ "لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان" یہ نعرے لگنے لگے۔ آپ کے بلوچستان کے حوالے سے تاریخ کا ایک اہم ورق موجود ہے۔ بلوچستان کے اسکول کے کچھ لڑکوں نے اپنے خون سے رومال پر یہ نعرہ لکھ کر دیا تھا کہ "لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان"[51] یہ چھوٹے رومال جو جیب میں رکھے جاتے ہیں یہ بانی پاکستان کو ہندوستان میں

مولانا عبدالاحد (پیلی بھیت)، مولانا محمد معوان حسین رامپوری، مولانا احمد علی محدث علی پوری، مولانا عبد الحفیظ بنارسی، مولانا فاضل کچھوچھوی، مولانا عبدالمجید، مولانا سید غلام قطب الدین اشرفی، مولانا احمد مختار میرٹھی، مولانا محمد عمر نعیمی، مولانا محمد یعقوب خان بلاسپوری، مولانا محمد حسین اجمیری وغیرہم، تین سو کے قریب علماء کرام، واعظان اسلام، مفتیان ذوی الاحترام اور مشائخ عظام میں سندھ سے لے کر ہند کے صوبوں کے مقتدر حضرات تشریف لائے تھے۔ بریلی، رامپور، دہلی، مراد آباد، لکھنو، پنجاب اور کچھوچھا کے علمی و روحانی مقامات کے اکابر موجود تھے، قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی خانوادوں کے ارباب طریقت کا نورانی اجتماع تھا۔

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، ص ۲۹۔۳۰)

51 سنّی مسلمانوں کا نعرہ تو یہ تھا، اس کے مقابلے میں یہ کانگریسی نعرہ لگاتے تھے "پاکستان قبرستان" چنانچہ ۴/مارچ ۱۹۴۶ء کے الیکشن موقع پر مراد آباد میں مسلم لیگ کو زبردست کامیابی ہوئی اور کانگریس کو ناکامی سے دوچار ہونا پڑا تو کانگریسی ایک گروہ کثیر کے ساتھ آوازیں کستے ہوئے پولنگ کی جگہ پر "قبرستان پاکستان" کا نعرہ لگاتے ہوئے آئے،

وصول ہوئے کہ جس میں اسکول اور کالج کے لڑکوں نے اپنے خون سے یہ نعرہ لکھ کر دیا تھا۔ یعنی تحریک اس نہج پر چلی گئی تھی۔

تاریخ کا ایک اہم باب یہ بھی ہے کہ ایک لڑکا کہیں دوڑ رہا تھا دوڑتے ہوئے کہیں اس کو ٹھوکر لگی ٹھوکر لگنے کے بعد بچہ رونے لگا اور گھٹنے سے خون نکلنے لگا کسی ہندو نے جب اس بچہ کو دیکھا اس ہندو نے بچے پر پھبتی کستے ہوئے کہا "اے بچے! کیا تم بناؤ گے پاکستان! کہ اتنے ذرا سے خون سے رونے لگ گئے۔ کیا تم بناؤ گے پاکستان؟؟ بچوں کا جذبہ یہ تھا۔ کہ بچے نے روتی ہوئی آواز کو روکتے ہوئے کہا "او پنڈت، او ہندو!! او دھوتی پرشاد!!! میں اس لیے رو رہا ہوں کہ یہ خون تو میں نے پاکستان کے لیے رکھا تھا جو اس سے پہلے بہہ گیا"۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ مسلمانوں کے بچوں کے کیا جذبات تھے۔ اور نعرہ یہ تھا:

"پاکستان کا مطلب کیا؟؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ"

اس کی تفصیل کیا تھی؟؟ وہ یہ کہ پاکستان اس لیے بنے گا کہ یہاں شریعت کا نفاذ ہوگا، پاکستان اس لیے بنے گا کہ دینِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ ہوگا، پاکستان کا مطالبہ اس لیے کیا گیا کہ پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کو برسرِ اقتدار لایا جائے گا۔ اب کیا ہوا؟ اب ایک تحریک چلی، پہلے تو تھا اکھنڈ بھارت، ترکِ موالات، نام نہاد ریشمی رومال وغیرہ وغیرہ یہ ساری تحریکوں کے بعد آخری دور میں تحریک اس نہج پر پہنچ گئی کہ ہندو الگ قوم ہے، مسلمان الگ قوم، اب انگریز کو مجبور کیا جائے

مسلم لیگ کی طرف سے نعرہ بلند ہوا "بٹ کے رہے گا ہندوستان، لے کے رہیں گے پاکستان" اسی طرح "ہفت روزہ، دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ ۷ر فروری ۱۹۴۷ء ص ۸" میں ہے۔

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۲۹۹۔۳۰۰)

کہ ہندوؤں کے لیے خطہ زمین الگ ہو، مسلمانوں کے لیے خطہ زمین الگ ہو، مسلم لیڈر جو لڑ رہے تھے ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ بلوچستان، پنجاب، دہلی، فیروز پور جتنی بھی مسلم آبادیاں ہیں یہ سب کی سب پاکستان بنیں گی مگر انگریزوں نے مکاری سے مسلمانوں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ دہلی، فیروز پور اور دیگر کئی علاقے پاکستان کا حصہ نہیں بنے، جونا گڑھ کو ہڑپ کر لیا اور بعد میں ہندوؤں نے حیدر آباد دکن کو بھی ہڑپ کر لیا، جو بددیانتی ہوئی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اسی طرح گورداس پور اور پٹھانکوٹ کے علاقے قادیانیوں کی سازش سے ہندوستان میں شامل ہو گئے۔[52] غرض یہ کہ اب تحریک کا رُخ بدل گیا کہ مسلمانوں کے لیے خطہ الگ ہونا چاہیے۔ انگریز کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اس بھارتی حصہ کی تقسیم کرے۔

---

[52] گردہ قادیان کی کارگزاریاں: تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کا ذکر ہو اور گروہ قادیان کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ ذکر مکمل نہیں ہوتا چنانچہ صادق علی زاہد لکھتے ہیں: قادیانیت ایک سیاسی تحریک ہے جسے بر صغیر میں انگریزی استعمار کو طول دینے کے لیے تخلیق کیا گیا تھا لیکن اپنے مقصد کے حصول کے لیے مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا گیا۔ قادیانی اکابرین اپنے جنم دن سے ہی برطانوی استعمار کی بلا چوں و چراں اطاعت و وفاداری کا درس دیتے رہے، اس گروہ کے اولین سیاسی اور مذہبی پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی نے برملا اعتراف حقیقت کرتے ہوئے اپنی کتاب "تبلیغ رسالت" جلد ۷، ص ۱۹ پر تحریر کیا: "ہمارا جانثار خاندان سرکارِ دولت مدار و سلطنت انگلش کا خود کاشتہ پودا ہے، ہم نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون بہانے اور جان دینے سے بھی دریغ نہیں کیا"۔ برطانوی استعمار کو طول دینے کے لیے عالم اسلام کے خلاف اس انگریز کے خود کاشتہ پودے نے جو خدمات سرانجام دی ہیں اگر ان کی تفصیل یکجا کی جائے تو بقول مرزا غلام احمد قادیانی کے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ (قادیانیت کا سیاسی تجزیہ از صاحبزادہ طارق محمود)

۱۵/اپریل ۱۹۴۷ء کو قادیانیوں کے ترجمان "الفضل" نے ایک بار پھر اپنا موقف ان الفاظ میں دہرایا "بہر حال ہم چاہتے ہیں اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں"۔

۱۹۴۴ء میں ظفر اللہ خان قادیانی نے ایک پمفلٹ ''ہیڈ آف دی احمدیہ موومنٹ'' کے نام سے مرتب کیا اس پمفلٹ میں ہندوستان کی سیاسی صورتحال کے بارے میں قادیانی سربراہ مرزا محمود احمد کے خیالات و نظریات اور اس کی شخصیت کا تعارف کرایا گیا، اس میں سر ظفر اللہ خان نے تحریر کیا کہ وہ مرزا محمود احمد اکھنڈ بھارت کے مؤید اور پاکستان جیسی علاقائی تحریک کے مخالف ہیں۔ (قادیان سے اسرائیل تک، ص ۱۸۶، از ابو مدثر، بحوالہ ہیڈ آف دی احمدیہ موومنٹ) قادیانیوں کے لندن مشن نے اس پمفلٹ کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔

قادیانیوں کی بھرپور مخالفت کے باوجود جب تقسیم ہند ناگزیر ہوگئی اور پاکستان کا قیام ممکن نظر آنے لگا تو قادیانیوں نے پاکستان کی جغرافیائی صورت کو نقصان پہچانے کی بھیانک کوشش کی (یعنی اپنے بانی کے مولد و مرکز قادیان کو و یٹی کن سٹی قرار دینے کا مطالبہ کر دیا) حکومت کی طرف سے قادیان کو آزاد ریاست تسلیم نہ کیے جانے کے بعد قادیانیوں نے حد بندی کمیشن کو غلط اعداد و شمار پیش کر کے آزاد قادیان حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی، قادیانیوں کے الگ محضر نامہ پیش کرنے کے نتیجے میں باؤنڈری کمیشن نے اس محضر نامہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو مسلمانوں سے الگ شمار کیا، اس طرح گورداس پور کا ضلع جس میں ہندو مسلم آبادی کا تناسب ۴۹ اور ۵۱ فیصد تھا، قادیانیوں کے علیحدہ شمار ہونے پر الٹ گیا، اس طرح گورداس پور کو مسلم اقلیت کا ضلع قرار دے کر اس اہم ترین علاقہ کو بھارت کے حوالے کر دیا گیا اور نہ صرف گورداس پور پاکستان کے ہاتھ سے نکل گیا بلکہ بھارت کو کشمیر تک پہنچنے کا آسان راستہ میسر آگیا۔

ہفت روزہ ''چٹان'' کو انٹرویو دیتے ہوئے معروف مسلم رہنما میاں امیر الدین نے فرمایا: باؤنڈری کمیشن کے مرحلہ پر ظفر اللہ خان قادیانی کو مسلم لیگ کا وکیل بنانا مسلم لیگ کی بہت بڑی غلطی تھی جس کے ذمہ دار لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی تھے۔

نیز آگے چل کر فرمایا: اس ظفر اللہ نے پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ پٹھانکوٹ کا علاقہ اس کی سازش کی بناء پر پاکستان کی بجائے ہندوستان میں شامل ہوا''۔ (ہفت روزہ چٹان لاہور، ۶ تا ۱۳/ اگست ۱۹۸۴ء)

تقسیم ہند کے حوالے سے چند چونکا دینے والے بیان: (۱) ''ہم نے یہ بات پہلے بھی کئی بار کہی کہ ہمارے نزدیک پاکستان بنانا اصولاً غلط ہے''۔ (خطبہ مرزا محمود احمد، روزنامہ الفضل، ۱۲-۱۳/ اپریل ۱۹۴۷ء)

(۲) ”میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور ہم کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح متحد ہو جائیں“۔

(تقریر مرزا محمود احمد خلیفہ قادیانی، الفضل قادیان، ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء)

(۳) ”ممکن ہے کہ عارضی طور کچھ افتراق ہو اور کچھ وقت کے لیے دونوں قومیں (مسلم اور ہندو) الگ الگ رہیں، مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دور ہو جائے، بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے“۔ (مسئلہ کشمیر اور قادیانی امت از اختر کاشمیری، ص ۹۵، بحوالہ روزنامہ الفضل قادیان، ص ۱۷، مئی ۱۹۴۷ء)

ظفر اللہ خان قادیانی بطور وزیر خارجہ پاکستان؟ یہ ایک سوال ہے اس کے جواب میں صادق علی زاہد لکھتے ہیں: ”پاکستان کی پہلی کابینہ اور پاکستان کیوں ٹوٹا؟“ کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز وائسرائے کے دباؤ کے تحت عظیم قائد محمد علی جناح کو بادل نخواستہ بعض غلط فیصلے کرنے پڑے جن میں قادیانی وزیر خارجہ کا تقرر، جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون بنانا اور آزاد پاکستان کی افواج کا کمانڈر انچیف ایک انگریز (دوگلس گریسی) کو بنانا شامل ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ ظفر اللہ قادیانی کی باؤنڈری کمیشن میں پاکستانی مؤقف کی وکالت سے دلبرداشتہ ہو کر قائد اعظم انہیں کسی طرح وزیر نہیں بنا رہے تھے مگر انگریز وائسرائے نے اس کی تقرری پر بہت اصرار کیا، یہاں تک کہ دھمکی دی کہ اگر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر نہ بنایا گیا تو اختیارات کی منتقلی کا اعلان نہیں کیا جائے گا۔ (سازشوں کا دیباچہ قادیانیت از رائے کمال ص ۱۹۵، پاکستان کیوں ٹوٹا، ص ۳۰۷، از ڈاکٹر صفدر محمود)

دوسرا قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد پاکستان ختم ہو جانے کی حسرت دل میں لیے جب مرنے لگا تو وصیت کر دی کہ مجھے عارضی طور پر ربوہ میں دفن کیا جائے بعد میں قادیان کے بہشتی مقبرہ میں میری قبر بنائی جائے، اس جماعت نے وصیت قبر پر کندہ کروادی، جب حالات ساز گار ہو جائیں تو میری میت کو نکال کر قادیان میں دفن کیا جائے، جماعت پر فرض ہے کہ وہ میری وصیت پر ہر لحاظ سے پورا پورا عمل کریں (سازشوں کا دیباچہ از رائے کمال، ص ۱۹۴) ابھی چند برس قبل قادیانیوں نے مذکورہ کندہ شدہ الفاظ مرزا محمود کی قبر سے ہٹائے ہیں بقول شورش کاشمیری۔

اب کیا ہوا؟ سارے علمائے اہلسنت ایک طرف سارے بدمذہب ایک طرف۔ یہ بالکل میں ڈٹ کر کہتا ہوں کہ آج دیکھیں پاکستان بنانے کے دعوے دار کون بنتے ہیں؟؟ مولانا مودودی، مفتی محمود کی جماعت، جمعیت علمائے اسلام، مولوی فضل الرحمٰن، مولوی سمیع الحق، جمعیت علمائے اسلام دوسرا گروپ، جماعت اسلامی یہ سب دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے پاکستان بنایا۔ پاکستان کس نے بنایامیں آپ کو بتاتا ہوں۔ تاریخی حوالہ دیتا ہوں اور آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ ہندوستان سے ایک اخبار نکلتا تھا جس کا نام تھا "دبدبہ سکندری" یہ اخبار رامپور سے چھپتا تھا[53] اپنی اشاعت 10 جون 1946ء میں لکھتا ہے: "جب بنارس میں "سنی کانفرنس" منعقد ہوئی لاکھوں عوام کے سامنے 5000 علماء و مشائخ اہلسنت (اور پروفیسر اکرم رضا کی تحقیق کے مطابق پانچ سو مشائخ و سات ہزار علماء) نے فیصلہ کیا "تمام علمائے اہلسنت پاکستان کے حق میں ہیں اور ہماری یہ آواز جناح صاحب تک پہنچادی جائے کہ

تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے ابتدائی ایام میں قادیانیوں کے کردار کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے قیام پاکستان سے لے کر اب تک یہ کتنے گھناؤنے کردار کے حامل رہے ہیں، اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ (ملخصًا) (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مجریہ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ/اگست ۱۹۹۷ء، تحریک پاکستان اور گروہ قادیان، ص ۱۲۹ تا ۱۳۶)

53 "دبدبہ سکندری" رامپور اہلسنت کا ہفت روزہ اخبار تھا، اپنی تاریخ ابتداء ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء سے اہلسنت کی ترجمانی کرتا رہا، آل انڈیا سنی کانفرنس کے احیاء کے موقع پر اس اخبار نے اپنے آپ کو ترجمان آل انڈیا سنی کانفرنس کے طور پر متعارف کرایا، سنی کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی اشاعت اس کا اولین مقصد قرار پایا۔ خبروں مضمون اور اداریوں میں سنی کانفرنس کے مفادات کی تشہیر کی ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرتا رہا کہ سنی کانفرنس کی زیادہ سے زیادہ خبروں کو اپنے مؤقر جریدے میں جگہ دے مگر ان خبروں کی تعداد اب ۱۹۴۶ء میں اتنی بڑھ گئی کہ ان تمام خبروں کو اخبار میں جگہ دینا مدیر جناب محمد فضل حسین صابری کے لیے ممکن نہ رہا۔ (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، ص ۱۳۸)

جناح صاحب اور مسلم لیگ اگر حصول پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار بھی ہو گئے تو ہم علماء اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ علماء پاکستان کے مطالبے سے دستبردار نہیں ہونگے۔[54] علماء کی ان کوششوں میں کیا ہوا۔ ایک کانفرنس اپریل 1946 میں بنارس میں ہوئی جس کی صدارت حضرت علامہ محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔[55] حضرت محدث کچھوچھوی کا یہ خطبہ اہلسنت برقی پریس، مراد آباد سے چھپ کر شائع ہوا تھا، مندرجہ بالا

---

[54] اس صفحہ کا عکس محمد جلال الدین قادری کی کتاب "پاکستان بنانے والے علماء و مشائخ" (ص ۳۱۲) میں موجود ہے، اس صفحہ پر عنوان "آل انڈیا سنی کانفرنس کا فیصلہ" از حضرت صدرالافاضل استاذالعلماء جناب مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی صاحب ناظم آل انڈیا سنی کانفرنس، مراد آباد، یوپی کے تحت ہے: "سنّی کانفرنس ہرگز پاکستان سے دستبردار نہ ہوگی اگر بالفرض مسٹر جناح مطالبہ پاکستان سے دست بردار بھی ہوجائیں تو بھی سنی کانفرنس اس میں ان کی مواققت نہیں کرے گی اور اپنا مطالبہ پاکستان ضرور حاصل کرے گی، مسلمانوں کا یہ حق مل کر رہے گا الخ"۔

[55] محدث کچھوچھوی: سید العلماء علامہ سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت رائے پور بریلی میں ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب حضور غوث الثقلین محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، صرف پانچ سال کی عمر میں آپ نے ناظرہ قرآن شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی، والد گرامی سید نذر اشرف رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ عربی درس نظامی کے لیے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کے نامور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، آٹھ سال بعد علی گڑھ میں مفتی لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر "شرح تجرید" اور "افق المبین" کا درس لیا، مفتی صاحب نے سند فراغت میں آپ کے نامہ کے ساتھ علامہ کا اضافہ فرمایا، پیلی بھیت میں مولانا شاہ مطیع الرسول عبد المقتدر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی، دہلی میں مدرسہ الحدیث قائم کرکے درس حدیث دیا، نانا جان شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر اپنے ماموں عارف ربانی مولانا شاہ احمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوکر تکمیل سلوک کیا اور درجہ کمال کو پہنچے، ایک عالَم آپ سے فیض یاب ہوا، تقریبًا پانچ ہزار

کلمات اس کے آخری صفحہ پر موجود ہیں، اس سے پہلے ایک ''سنّی کانفرنس'' 1935ء میں بدایوں میں ہوئی اس کی صدارت کے لیے حضرت علامہ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ[56] تشریف لائے۔ اس کے بعد میں پھپوند ایک مقام ہے ہندوستان

غیر مسلم آپ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے، کئی بار حج و زیارت سے مشرف ہوئے، آپ کا شمار اعلیٰ حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے معزز خلفاء و تلامذہ میں ہوتا ہے۔

سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر مشائخ اہلسنت کے شانہ بشانہ مگر قائدانہ حیثیت سے کام کیا تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کیے اور عوام کو مسلم لیگ کے منشور سے آگاہ کر کے نظریہ پاکستان کا ہمنوا بنایا۔ آپ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' کے تاحیات صدر رہے، بنارس میں سنّی کانفرنس ۱۹۴۶ء کے موقع پر آئندہ کے لیے بالاتفاق صدر عمومی مقرر ہوئے اور اس کانفرنس کے استقبالیہ کے صدر بھی آپ ہی تھے، اس سے آپ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ خطابت کے شہسوار تھے، آواز میں بلا کی کاٹ اور لہجہ میں شیرینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، بات منہ سے نکلتے ہی دلوں میں اترتی چلی جاتی، بنارس کی آل انڈیا مسلم سنی کانفرنس اور اجمیر سنی کانفرنس میں آپ کے خطبے تحریک پاکستان کی حمایت کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں، ان خطبات کو شہرت عام حاصل ہے، ۸ جون ۱۹۴۶ء کو سنی کانفرنس اجمیر شریف میں آپ کے خطبہ صدارت سے ایک اقتباس ملاحظہ کرتے چلیں: ''میرے سنی بھائیو! اے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت آگئی، اب بحث کی لعنت چھوڑو، اب غفلت کے جرم سے باز آجاؤ، آؤ اٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جاکر دم لو کہ یہ کام اے سنیو! سن لو کہ صرف تمہارا ہے''۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمار ۱۰۰، ص ۷۲۔۷۴)

[56] امیر ملت سید جماعت علی شاہ: امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری بن سید کریم شاہ (م ۱۹۰۲ء) کی ولادت باسعادت ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں ہوئی، حفظ قرآن و ابتدائی تعلیم علی پور

سیداں سے حاصل کرنے کے بعد برصغیر کے نامور علماء وفضلاء سے علمی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے ترکی کے نامور محدث مولانا علامہ محمد عمر ضیاء الدین استنبولی سے بھی اجازت حدیث شریف حاصل کی۔ امیر ملت نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے نامور شیخ طریقت حضرت باواجی فقیر محمد فاروقی چوراہی کے ہاتھ پر بیعت کرکے خلافت حاصل کی۔

آپ کی حیات مبارکہ مذہبی، ملی اور سیاسی خدمات سے عبارت ہے آپ نے پاک وہند میں مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے جنوب تک سفر کرکے خوابیدہ قوم کو بیدار کیا، فتنہ ارتداد، شدھی تحریک، تحریک ہجرت، تحریک آزادی کشمیر، تحریک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انجمن حیات اسلام لاہور، تحریک مسجد شہید گنج لاہور، غرض برصغیر کی تمام مسلم تحریکوں میں مجاہدانہ اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان میں آپ کا کردار تاریخ کا ایک سنہری باب ہے اور نژادیوں کے لیے مشعل راہ۔

۱۹۳۶ء میں جب قائداعظم نے مسلم لیگ کی تنظیم کا بیڑا اٹھایا اور ہندو مسلم دو جداگانہ قوموں کی آواز بلند کی تو برصغیر میں سب سے پہلے امیر ملت ہی نے قائداعظم کو اپنے مکمل اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا، آپ اس وقت حیدرآباد دکن (انڈیا) میں مقیم تھے، وہاں سے قائداعظم کے نام ایک ہمدردانہ و ہمت افزاء، پر خلوص خط مع تبرکات بمبئی کے ایڈریس پر ارسال کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”قوم نے مجھے امیر ملت مقرر کیا ہے اور پاکستان کے لیے جو کوشش آپ کر رہے ہیں وہ میرا کام تھا لیکن میں سو سال کے قریب عمر کا ضعیف وناتواں ہوں یہ بوجھ آپ پر آن پڑا ہے، میں آپ کی مدد کرنا فرض تصور کرتا ہوں، میں اور میرے متوسلین آپ کے معاون و مددگار رہیں گے، آپ مطمئن رہیں“۔ اس کے بعد حضرت امیر ملّت نے اپنے تبلیغی اور روحانی دوروں کے دوران پشاور سے راس کماری تک مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا حتیٰ کہ مسلم لیگ برصغیر کے چپے چپے میں مقبول عام بن گئی اور بوڑھے بچے جوان کی زبان پر مسلم لیگ زندہ باد کے پر سُرور نعرے گونجنے لگے۔

۲۲ر اپریل ۱۹۳۸ء کو جامع مسجد کلاں میانہ پورہ سیالکوٹ میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے حضرت امیر ملّت نے ”حقانیتِ اسلام“ کے موضوع پر اڑھائی گھنٹے کے ایمان افروز اور باطل سوز خطاب میں فرمایا: ” مسلمانو! آج ایک جھنڈا اسلامی ہے، دوسرا کفر کا، تم کس جھنڈے کے سائے میں رہو گے “؟ سب حاضرین نے متفقہ آواز میں

کہا: "اسلام کے جھنڈے کے سائے میں"، پھر آپ نے کلمۂ شہادت پڑھوا کر حاضرین سے وعدہ لیا اور سب حاضرین نے یک زبان ہو کر ہاتھ بلند کر کے وعدہ کیا کہ ہم کفر کے جھنڈے کے نیچے جاکر اُن میں ہرگز شامل نہ ہوں گے بلکہ اُن سے شامل ہونے والوں کے ساتھ کسی قسم کا برتاؤ نہ رکھیں گے نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور نہ ان کو اپنے قبرستان میں مرنے کے بعد دفن کریں گے۔

۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو آپ نے صوبۂ سرحد کے مریدوں کو ایک خصوصی پیغام بھیجا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر آزادی کی منزل حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام تر مساعی صرف کردیں۔ دسمبر ۱۹۳۸ء آپ براہِ کراچی عازم حج ہوئے، بخشی مصطفیٰ عالی خان (خلیفہ امیر ملت، م ۱۹۷۴ء) بھی ہمراہ تھے، جہاز کی روانگی کے انتظار میں چار دن کراچی قیام کرنا پڑا، دریں اثنا قاضی شہر نے آپ سے دریافت کیا کہ "مسلم لیگ کے متعلق حضور کی رائے کیا ہے؟ یہاں صوبہ سندھ میں خود مسلمانوں کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں، ایک مجبور کرتی ہے کہ کانگریس میں شامل ہوں دوسری زور لگاتی ہے کہ مسلم لیگ میں داخل ہوں" آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: "قاضی آپ کے سامنے دو عَلَم ہیں، ایک حق دوسرا باطل کا، فرمایا: آپ کون سا عَلَم پسند کریں گے، مرنا بھی ہو تو کیا باطل کے عَلَم کے نیچے مرنا پسند کرو گے"۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو اقبال پارک لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس قرارداد لاہور منعقد ہوا، حضرت امیر ملّت نے آل انڈیا سنی کانفرنس کی نمائندگی کے لیے پیر آف مانکی شریف، پیر آف زکوڑی شریف، علامہ عبدالغفور ہزاروی وغیر ہم کو وہاں بھیجا۔

اواخر جون ۱۹۴۵ء میں حضرت امیر ملت نے تحریک پاکستان کی حمایت میں ایک زبردست بیان جاری فرمایا جس کا عنوان "تحریک پاکستان اور صوفیاء کرام" تھا، اس بیان کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ محمد علی جناح ہمارا بہترین وکیل ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا سب مسلمان قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہوں۔ ۱۴ تا ۱۶/ ستمبر ۱۹۴۵ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار "دار العلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند" لاہور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ہندوستان بھر کے اکابر علماء اہلسنت و جماعت تشریف لائے، اجلاس کی صدارت حضرت امیر ملت نے فرمائی اور فیصلہ کیا گیا کہ کانگریس، احرار، خاکسار، یونینسٹ ہرگز ہرگز مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں نہیں ہیں، کانگریس مشرکین و مرتدین کی جماعت ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی بدترین دشمن ہے، اس سے یہ ہرگز توقع نہیں کہ یہ

میں وہاں ایک کانفرنس ہوئی جو حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں ہوئی۔ اس کانام بھی ''سنی کانفرنس'' تھا۔

مسلمانوں کے حقوق کی نمائندگی کر سکے، لہٰذا مسلمانوں کو اپنا قیمتی ووٹ کانگریس کو دینا حرام ہے۔ احرار، خاکساراور یونینسٹ وغیرہ وغیرہ اکثریت سے کٹ کر گاندھی اور نہرو کے زر خرید غلام بن چکے ہیں، انہیں مسلمانوں کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے، مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کا حق صرف سنّی العقیدہ مسلمانوں کو ہے جو کونسلوں میں جاکر مسلمانوں کے جائز حقوق کی نگہداشت کریں اور احکام شریعت کے مطابق جدوجہد کریں۔ حضرت امیر ملت کے زیر صدارت اس اعلان حق سے مخالفین پاکستان کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مشہور کانگریسی (دیوبندی) مولوی حفظ الرحمٰن نے اپنی بوکھلاہٹ کا بیان کرتے ہوئے کہا: ''گزشتہ دنوں ایک بدعتی پیر نے شریک کانگریس کو حرام اور ان کو ووٹ دینا حرام اور کانگریس مشرکین و مرتدین کی جماعت ہے قرار دے کر جس طور مسلم لیگیوں کی ہمت افزائی کی وہ تمام شرانگیزی پر مبنی ہے''۔

۲۷/اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سنّی کانفرنس کا اجلاس بنارس (بھارت) میں فقید المثال اور تاریخ ساز آپ کی صدارت میں شروع ہوا، تو کانگریسی علماء نے اپنے ایجنٹ بھیج کر اجلاس کو درہم برہم کرنے کی سازش کی، ایک قرارداد مرتب کی جس میں قائداعظم کو کافر، ملعون اور مرتد قرار دیا گیااور مطالبہ کیا گیا کہ حضرت امیر ملت نے قائداعظم کے بارے میں جو تعریفی کلمات فرمائے ہیں وہ واپس لیں ورنہ سے مستعفی ہو جائیں، آپ نے اس سازش کا دندان شکن دلائل سے جواب دیا کہ کسی کو سامنے صدارت سے بولنے کی جرأت نہ ہوئی اور مخالفین اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو جب آزادی کی صبح طلوع ہوئی اور پاکستان کی شکل میں ہمیں سورج سے زیادہ روشن منزل مل گئی تو حضرت امیر ملت نے حضرت قائداعظم اور دوسرے زعماء کو مبارکباد کے تار ارسال کیے، قائداعظم کے مبارکباد کے تار میں تحریر فرمایا: ''ملک گیری آسان ہے، ملک داری مشکل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ملک داری کی توفیق عطا فرمائے''۔

(ملخصًا از ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۳۵_۳۳)

1946ء میں ایک سنی کانفرنس اجمیر شریف میں ہوئی۔ جس کی صدارت سید آل رسول دیوان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ جو اس زمانہ میں خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز کی اولادوں میں سے تھے۔ یہاں ان تمام کانفرنسوں میں پاکستان بننے کی قرارداد منظور ہوئی۔ اس کے بعد شاہجہان پور، UP میں مئی 1946ء میں ایک سنی کانفرنس ہوئی۔ اس کے بعد ایک سنی کانفرنس ۱۲۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کو عید گاہ بندر روڈ، کراچی کے وسیع میدان میں حضرت علامہ مولانا غلام رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مزار کو رحمت ورضوان کے پھولوں سے بھر دے۔ ان کا مزار سولجر بازار کراچی میں ہے۔ اس کانفرنس میں ہندوستان سے حضرت علامہ عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک ہوئے اور سندھ کے نامور علماء ومشائخ نے اس میں شرکت کی۔ اس طرح کی کانفرنسیں ہوئیں تو اہلسنت نے ہندوستان میں ایک تہلکہ مچادیا[57]۔ اس کے بعد اب بدمذہبوں کو کیا سوجھی۔ ان کا سرخیل کوئی مولوی غیرت

---

[57] جیسا کہ پہلے ذکر کر دیا گیا کہ آل انڈیا سنّی کانفرنس کی بنیاد اوائل ۱۹۲۵ء میں رکھی گئی، اس کا پہلا اجلاس شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ / مارچ ۱۹۲۵ء کو مراد آباد میں ہوا اگرچہ سنی کانفرنس کی ابتداء بقول محقق و مؤرخ علامہ نسیم احمد صدیقی کے ۱۸۹۷ء کو بمقام پٹنہ بہار میں ہوئی جہاں مخدوم امین احمد منیری کی صدارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی جس کے روح رواں امام اہلسنت امام احمد رضا محدث بریلوی اور علامہ عبدالقیوم تھے جس میں محدث بریلوی نے دو قومی نظریہ پیش کیا، دوسری سنی کانفرنس ۱۱ر جُمادی الاخری ۱۳۳۹ھ / ۲۰ فروری ۱۹۲۱ء کو بمقام مسجد بی بی جی بریلی شریف منعقد ہوئی اور اسی سال امام اہلسنت کا وصال ہوا، (ملخصًا از سنی کانفرنسوں کا تاریخی تسلسل) پھر ۱۹۲۵ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی جس کے تحت ملک کے طول و عرض میں دو قومی نظریہ کی حمایت اور الگ وطن کے حصول کے لیے عوام کو بیدار کرنے اور ان کو بدعقیدگی اور بدعملی سے روکنے کے لیے تسلسل کے ساتھ کانفرنسیں منعقد ہوئیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

صفر المظفر ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء اجمیر مقدس میں، ۱۳ تا ۱۵ ذوالقعدہ ۱۳۴۵ھ/۱۶ تا ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء کو ضلع مظفر پور (بہار) میں، ۱۶ صفر ۱۳۴۷ھ/ ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء کو مراد آباد میں، ۲۰ تا ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ/ ۲۰ تا ۲۲ مئی ۱۹۳۰ء کو بہرال ضلع مالدہ بنگال میں، شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ/دسمبر ۱۹۳۰ء میں بنارس میں، ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں بدایوں میں اور ۱۹، ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ/ ۳، ۴ر اکتوبر ۱۹۳۹ء مراد آباد میں، آل انڈیا سنّی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے، پھر ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، اور صدارت کے لیے امام اہلسنت امام احمد رضا کے خلف اصغر مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان کا نام پیش ہوا جسے باتفاق رائے منظور کر لیا گیا۔ ۳، ۴، ۵، ۶ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ/ ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ر جولائی ۱۹۴۵ء کو مراد آباد میں، جمعہ تا اتوار ۶ تا ۸ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ/ ۱۴ تا ۱۶ ستمبر ۱۹۴۵ء کو دار العلوم انجمن حزب الاحناف ہند، لاہور صوبہ پنجاب میں ۱۳ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ/ ۲۱ ستمبر ۱۹۴۵ء کو دہلی میں، ذوالقعدہ ۱۳۶۴ھ/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مین پوری میں، جمعہ، ہفتہ کے روز ۲۵، ۲۶ ذوالقعدہ ۱۳۶۴ھ/ ۲، ۳ نومبر ۱۹۴۵ء کو ضلع گجرات میں، اکتوبر ۱۹۴۵ء کو بدایوں میں، ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مراد آباد میں، ۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو صوبہ دہلی میں، ۱۹ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ/ ۲۰ر نومبر ۱۹۴۵ء کو مبارک پورہ، ضلع اعظم گڑھ میں، ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو پیلی کوٹھی بنارس میں، نومبر ۱۹۴۵ء کو مدن پورہ (مقامی) میں، ۲ نومبر ۱۹۴۵ء کو امر تسر میں، ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو کالپی ضلع جالون میں، ۲۱ تا ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء کو احاطہ خانقاہ رشیدیہ مین پوری میں، ۲۳ نومبر ۱۹۴۵ء کو فتح پور کی مسجد ضلع بھاگل پور میں، ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو سلطان پور ضلع بھاگل میں ۲۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو جھانسی میں، یکم محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قصبہ جین پور ضلع اعظم گڑھ میں، ۵ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پاکپتن میں، ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو فتح پور ضلع بھاگل پور میں، انہی دنوں قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں، ۵ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پائیکا بلڈنگ بمبئی میں، ۳ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قصبہ چراگاؤں ضلع جھانسی میں ۲۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قبصہ مئوناتھ بھنجن میں، ۲۳ر محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو چتوڑ گڑھ میواڑ میں، محرم الحرام ۱۳۶۵ھ میں امباباڑی کالاچوکی بمبئی میں، ۲۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو کچھی مسجد چاندور بازار ضلع امراؤتی میں، ۵، ۶ جنوری ۱۹۴۶ء کو انگس ضلع ہگلی بنگال میں، ۲ صفر ۱۳۶۵ھ/ جنوری ۱۹۴۶ء کو بدایوں شہر کے مضافات میں، ۱۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو دلیاہی روڈ جبل پور (سی پی) میں، ۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو ضلع گجرات پنجاب میں، جنوری ۱۹۴۶ء کو قصبہ منوہر ضلع کوٹہ (ریاست راجپوتانہ) میں، ۵ جنوری ۱۹۴۶ء کو ضلع وردہاکی میں، ۲۲

جنوری ۱۹۴۶ء کو جامعہ عربیہ ناگپور صوبہ سی پی وبرار میں، ۱۷ر جنوری ۱۹۴۶ء کو کہرام میں، ۱۷ر فروری ۱۹۴۶ء کو دائرہ شاہ محمد اللہ آباد میں، ۸ فروری ۱۹۴۶ء کو ایڈاپلی (ٹرانگور) میں، ۱۱ فروری ۱۹۴۶ء کو چنبڑ تحصیل ٹنڈوالہیار (سندھ) میں، ۱۵، ۱۶، ۱۷ر فروری ۱۹۴۶ء کو شہراروائی میں، ۱۷ اصفرالمظفر ۱۳۶۵ھ / ۲۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو قصبہ پھپھوند ضلع اناوہ میں، ۱۱ تا ۱۴ر فروری ۱۹۴۶ء کو دائرہ ملّا محمدی شاہ محلہ کوہن ٹولہ اللہ آباد میں ۲۱ر ربیع النور ۱۳۶۵ھ / ۲۳ر فروری ۱۹۴۶ء کو قصبہ ایریاں ضلع فتح پور بسور میں، ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد حنفیہ دھمتری ضلع ناگپور (سی پی) میں، ۲۶ر فروری ۱۹۴۶ء میں موضع لال کرتی ضلع اللہ آباد میں، ۱۹ فروری ۱۹۴۶ء کو جالون میں، فروری ۱۹۴۶ء کو پالی میں، ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء کو قصبہ کاپاڑہ ضلع ہمیرپور میں، اسی ماہ میں قصبہ پنواڑی ضلع ہمبرپور میں، ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء کو مہنگاواں ضلع بھاگل پور میں، ۶ مارچ ۱۹۴۶ء کو ضلع باندا میں، ۱ر فروری ۱۹۴۶ء کو پھپھوند میں، ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء کو قصبہ مودہاہ میں، ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۶۵ھ / ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو اناوہ میں، ۱۱ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ / ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو خانقاہ سربیلہ میں، مارچ ۱۹۴۶ء میں فتح پور سوا (ضلع بدایوں) میں، ۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو خانقاہ سجادیہ شیشن گڑھ ضلع بریلی میں، ۲۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو یوپی کے مرکزی مقام اللہ آباد شہر میں، ۱۱ر اپریل ۱۹۴۶ء کو سہسرام صوبہ بہار میں، ۱۲ اپریل ۱۹۴۶ء کو جامعہ مسجد گوٹی گاؤں (سی پی) میں، ۴ر اپریل ۱۹۴۶ء کو کوالہڑ ضلع سیالکوٹ میں، ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ / ۱۶ر اپریل ۱۹۴۶ء کو قصبہ ادری ضلع اعظم گڑھ میں، ۱۱ر جون ۱۹۴۶ء کو برہان پور (سی پی) میں، ۱۵ جون ۱۹۴۶ء کو مالیگاؤں میں، ۲۰ تا ۲۲ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ / ۲۱ تا ۲۳ جون ۱۹۴۶ء کو ضلع بدایوں میں، ۳ر مئی ۱۹۴۶ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں، ۴ مئی ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں، ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء کو پھپھوند ضلع اتاوہ میں، ۱۶ر اپریل ۱۹۴۶ء کو نئی بستی آگرہ میں، ۱۹ر اپریل ۱۹۴۶ء کو کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد میں، ۲۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو کچھوچھا شریف میں (دوسرا جلسہ) ۲۲ر اپریل ۱۹۴۶ء کو گنج بازار ضلع بہرائچ میں، ۲۲ر اپریل ۱۹۴۶ء کو درگاہ بابا قاسم چنار میں، ۱۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو بیٹھک خانہ روڈ پارسی بگاں کلکتہ میں، ۱۶ر اپریل ۱۹۴۶ء کو راجہ بازار کلکتہ میں، ۱۷ر اپریل ۱۹۴۶ء کو ہوڑہ میں، ۲۲ر اپریل ۱۹۴۶ء کو پارسی بگاں کلکتہ میں، ۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو انگس ضلع ہگلی میں، ۱۷، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ / ۱۹، ۲۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں، ۲۷ تا ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ کو بنارس میں چار بڑے اجتماعات ہوئے جس کی تیاری ایک عرصے سے جاری تھی، جس میں پانچ سو مشائخ عظام، سات ہزار

علماءکرام اور دولاکھ سے زیادہ عوام نے شرکت کی،اس کانفرنس میں قیام پاکستان کی پر زور حمایت کی گئی اور علماءومشائخ سے عہد لیا گیا کہ وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں پاکستان کے قیام کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔(حقائق نامہ دارالعلوم دیوبند، ص ۳۶، تحقیق ڈاکٹر کوکب نورانی اوکاڑوی) ۳ مئی ۱۹۴۶ء کو ریاست دادوں ضلع اعظم گڑھ میں، ۷ر رجب ۱۳۶۵ھ / ۷ر جون ۱۹۴۶ء کو چتوڑ میں، ۸ر رجب المرجب ۱۳۶۵ھ /۸ جون ۱۹۴۶ء کو چتوڑ میں دوسرا اجلاس، ۳۰ جون ۱۹۴۶ء کو کانپور میں، ۱۹، ۲۰، ۲۱ جون ۱۹۴۶ء کو ریاست ریوا میں، ۲، ۳، ۴ جولائی ۱۹۴۶ء کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں، ۵، ۶، ۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو مدرسہ اجمل العلوم سنبھل مراد آباد میں، ۸، ۹، ۱۰ر جولائی ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد چندوسی ضلع مراد آباد میں، جولائی ۱۹۴۶ء میں بلند شہر، اوائل مئی ۱۹۴۶ء میں مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں، مئی ۱۹۴۶ء میں ضلع باندا کے موضع ہڈیا اور موضع کبونی میں، اگست ۱۹۴۶ء میں ضلع بدایوں کے سات محلوں میں، ۱۶ر اگست ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد شمسی بدایوں میں، ۲۳ اگست ۱۹۵۴ء کو مسجد مذکور میں، ۲۶ اگست ۱۹۴۶ء/ ۲۸ر مضان ۱۳۶۵ھ قصبہ راٹھ میں، ۱۱ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ / ۸ ستمبر ۱۹۴۶ء کو مین پوری میں، ۲۹ ستمبر ۱۹۴۶ء کو جے پور میں، ۵، ۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ /۷، ۸ جون ۱۹۴۶ء کو اجمیر شریف میں، ۱۲، ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کو عید گاہ بندر روڈ کراچی میں (علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی کی زیر صدارت بزم سید سندھ کے زیر اہتمام منعقد ہوئی جس میں مجاہد ملت مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا ظہور الحسن درس، مولانا غلام رسول قادری، پیر طریقت محمد قاسم مشوری، پیر محمد ہاشم جان سرہندی اور پیر غلام مجدد سرہندی ٹیاری والے وغیرہم شریک ہوئے۔(سنی کانفرنس کا تاریخی تسلسل ص ۳۸)، ۸، ۹، ۱۰ر ذوالقعدہ ۱۳۶۵ھ / ۴، ۵، ۶ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مسجد وزیر خان لاہور میں، ۱۱، ۱۲، ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد میاں محمد جان امرتسر میں، مارچ ۱۹۴۶ء میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان میں، ۱۶ر فروری ۱۹۴۷ء کو بزمِ پاکستان کے زیر اہتمام ریاست رام پور میں، ۱۰ر فروری ۱۹۴۷ء کو جالون میں، یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ / ۲۳ر فروری ۱۹۴۷ء کو کھرسیاں گنج ریاست رائے گڑھ میں، ۵ر فروری ۱۹۴۷ء کو نخاس کہنہ الہ آباد میں، ۱۱ر ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ / ۵ر مارچ ۱۹۴۷ء کو رسالہ الہ آباد میں، ۱۸ر مارچ ۱۹۴۷ء کو احمد شیخ الہ آباد میں، ۲۰ر مارچ ۱۹۴۷ء جامع مسجد رائے گڑھ میں، ۱۶ تا ۱۸ر اپریل ۱۹۴۷ء جامعہ عربیہ ناگپور میں، ۲۰، ۲۱ر اپریل ۱۹۴۷ء کو دین نگر پور ضلع مراد آباد میں، ۱۵ تا ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ / ۸ تا ۱۰ر اپریل ۱۹۴۷ء کو سربیلہ تھانہ سمری بختیار پور ضلع مونگیر صوبہ بہار میں، ۱۷

تا ۱۹/ جون ۱۹۴۷ء کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں، ۲۹ تا ۳۱/ مارچ ۱۹۴۷ء کو پھاٹک جشن خان دہلی میں، ۳۱/ دسمبر ۱۹۴۵ء تا ۲ جنوری ۱۹۴۶ء میرٹھ میں، ۲۶/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مبارک پور اعظم گڑھ میں، ۱۵/ ربیع الآخر ۱۳۶۵ھ / ۱۹/ مارچ ۱۹۴۶ء کو مدرسہ اسلامیہ گھوڑ روڈ ضلع مونگیر میں، ۷/ مئی ۱۹۴۷ء کو ضلع اعظم گڑھ میں۔

ان اجتماعات اور اجلاسوں کے ذریعے مشائخ و علماء اہلسنت نے دو قومی نظریہ کی اشاعت کی اور تحریک پاکستان میں اور قیام پاکستان کی منزل کو قریب سے قریب ترلانے میں مسلم لیگ اور محمد علی جناح کا بھرپور ساتھ دیا اور آزادی وطن کے لیے اہلسنت کے مشائخ اور علماء نے اپنی تمام توانائیاں صرف کیں اور کسی بھی قربانی سے گریز نہیں کیا، اس جدوجہد میں خود بھی شامل رہے اور اپنے تمام تر مریدین، معتقدین، اور متعلقین کو قیام پاکستان کی جدوجہد میں مسلم لیگ کا ساتھ دینے کے لیے سختی سے پابند کیا، اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جسے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، خود بانی پاکستان نے بھی اس حقیقت کا اقرار کیا اور بین الاقوامی مؤرّخ ڈاکٹر قریشی نے ان الفاظ سے اقرار کیا، چنانچہ خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں کہ ”اب تحریک پاکستان میں علماء کی اجتماعی جدوجہد کی بات چل نکلی تو سنّی کانفرنسوں کے انعقاد سے تحریک پاکستان کو جو تقویت پہنچی اس پر بھی ڈاکٹر صاحب نے اظہار خیال فرمایا، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا عبد الحامد بدایونی اور دیگر علماء نے سنّی کانفرنسیں منعقد کر کے تحریک پاکستان کی حمایت کی اور اپنے مکتب فکر کے علماء اور عوام کو اس کی حمایت پر آمادہ کیا، یقیناً ان علماء کی اس جدوجہد سے تحریک پاکستان کو تقویت پہنچی کیونکہ ان علماء کا اثر تھا اور کافی تھا“۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۲۲) یہ تو تھے سنّی علماء و مشائخ، دوسری طرف دیوبند کے علماء جو نہ صرف قیام پاکستان کے مخالف تھے بلکہ عوام کے ایک طبقے کو علماء اسلام سے بیزار کرنے کے بھی ذمّہ دار تھے، چنانچہ ڈاکٹر قریشی فرماتے ہیں: ”ایک طبقہ ایسا تھا جو مولویوں سے بیزار تھا اور سیاسی طور پر قائداعظم کا ہمنوا تھا، مولویوں سے بیزاری کا سبب بھی دراصل یہی تھا کہ علماء دیوبند کی طرف سے انہیں مایوسی ہوئی تھی“۔ (دو قومی نظریے کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۲۲)

ایک طبقہ کی مایوسی کی وجہ بظاہر تو یہی ہے کہ علماء دیوبند نے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کا ساتھ دیا، آزادی کو چھوڑ کر پہلے انگریزوں کی غلامی کو قبول کیا پھر جب انگریز نے اس سرزمین سے جانے کا تہیہ کر لیا تو انہوں نے ہندوؤں کی غلامی کو قبول کیا اور مختلف تحریکیں اور جماعتیں قائم کر کے عوام المسلمین کو ہندوؤں کی غلامی کی زنجیر میں جکڑنے کی بھرپور سعی

مند ہو تو جواب دے اور یہ کہے کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر اس میں ذرّہ برابر جرأت ہے تو ہمارے بیان کو غلط ثابت کر کے بتائے۔

کی، اس میں خاص طور پر مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی، مفتی کفایت اللہ دیوبندی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مودودی، عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہم شامل رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند کے علماء نے اگر مسلم لیگ کی حمایت کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کے لیے اس دور میں پچاس ہزار روپے مانگ لیے، چنانچہ پاکستان کے مشہور مؤرخ خواجہ رضی حیدر نقل کرتے ہیں "۸ر جون کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمینٹری بورڈ کے اجلاس لاہور میں منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں میں مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی)، مفتی کفایت اللہ (دیوبندی) اور مولانا احمد سعید (دیوبندی) نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے کہا دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات مسلم لیگ کے لیے پیش کر دے گا بشرطیکہ پروپیگنڈہ کا خرچہ مسلم لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لیے پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) روپے کی رقم طلب کی گئی جو مسلم لیگ کی استعداد سے باہر تھی، اس لیے محمد علی جناح نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہ اتنا سرمایہ مسلم لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے، اس لیے صرف قومی جذبہ کے پیش نظر کام کیا جائے، مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا ہے کہ ان علماء (دیوبند) کو اس سے (۵۰,۰۰۰ روپے نہ ملنے سے) مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی طرف ڈھلنے لگے اور کانگریس پارٹی کے لیے پرچار کرنے لگے، جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی۔

(بحوالہ مرزا ابوالحسن اصفہانی، ص ۳۰) (قائداعظم کے ۷۲ سال، ص ۳۰۲۔ ۳۰۳)

اور خود یہ لوگ قیام پاکستان کے مخالف رہے اور تحریک پاکستان میں شامل رہنماؤں کو سرِعام گالیاں دیتے رہے، خود مسلم لیگ کی حمایت سے دست بردار رہے اور حمایت کرنے والوں کو سور اور نہ جانے کیا کچھ کہتے رہے، پاکستان کو پلیدستان، ٹاپاکستان، خاکستان اور نہ جانے کن کن ناموں سے یاد کرتے رہے، بہرحال یہ سب کچھ سبب بنا اس طبقہ کے علماء سے بیزار ہونے کا اگرچہ یہ اس طبقہ کی کج فہمی اور نادانی کے سوا کچھ نہ تھا۔

مسلمانوں کا نقطہ نظر یہ تھا مسلمان الگ قوم ہے اور ہندو الگ قوم ہے۔ ہماری قوم مذہب سے ہے، ہم مسلمان ایک ملت ہیں۔ چاہے کہیں کے بھی ہوں اور دیوبندیوں کے سرخیل نے کیا فتویٰ دیا؟؟ کہ یہ بات غلط ہے کہ ملت مذہب سے ہے بلکہ ملت وطن سے ہے۔ ہندو ہمارے وطنی ہیں ایک وطن کے رہنے والے۔ ہم مسلمان ہندوستانی ہیں، ہندو بھی ہندوستانی ہیں۔ لہٰذا ہم دونوں بھائی بھائی ہیں۔ یہ فتویٰ اتنا مشہور ہوا اگر میں آپ کو علماء کی دستاویزد کھاؤں تو آپ کہیں گے یہ تو مولویوں کا جھگڑا ہے۔ سنیے ڈاکٹر اقبال نے کہا:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر از مقام محمد عربی است[58]

[58] یہ اشعار ڈاکٹر اقبال کے مجموعہ کلام ارمغان حجاز میں موجود ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "عجمی ابھی تک رموز دین سے بے خبر ہیں ورنہ دیوبند سے حسین احمد، یہ کیا ہی عجب شخص ہے بر سر منبر راگ الاپتا ہے کہ ملت وطن سے بنتی ہے وہ محمد عربی کے مقام سے کتنا بے خبر ہے (کہ حضور نے بھی دو قومی نظریہ پیش کیا، مسلمان ایک قوم ہیں اور کفار دوسری) اپنے آپ کو مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا (اے نادان ان کی غلامی کر) کہ دین تو آپ ﷺ ہی کی ذات ہے اگر آپ تک نہیں پہنچے گا تو تیرا دین، دین مصطفیٰ کی بجائے دینِ ابولہب ہوگا"۔ (تحریک پاکستان اور علمائے حق، ص ۱۰)

دیوبند کا اتنا بڑا عالم جسے حسین احمد مدنی کہتے ہیں منبر رسول پر بیٹھ کر یہ کہتا ہے ملت وطن سے ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ بدبخت مقامِ مصطفیٰ ﷺ سے بے خبر ہے۔ میں کہتا ہوں ملّت مذہب سے ہے [59]۔ اس میں ڈاکٹر اقبال نے کلیتہً اہلسنت و جماعت کے علماء کی ترجمانی کی [60]۔

---

[59] جب کہ اہلسنت و جماعت کے علماء کا نظریہ تھا کہ ملت وقوم کی تعمیر دین سے ہوتی ہے چنانچہ ۱۲/دسمبر ۱۹۴۵ء کو حضرت مولانا محمد عارف اللہ قادری میرٹھی خطیب خیر المساجد میرٹھ کے تاریخی خطاب کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو "اخبار دبدبہ سکندری" کی رپورٹ میں ہے: "مولانا موصوف نے نظریہ قومیت پر بھی روشنی ڈالی اور بتایا کہ مسلمان قوم کی تعمیر وطن، نسل، رنگ، زبان وغیرہ امتیازات کو چھوڑ کر دین سے ہوتی ہے"۔ (اخبار دبدبہ سکندری، مجریہ ۲۵/محرم الحرام ۱۳۶۵ھ / ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء، ص ۵) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اہلسنت کا نظریہ تھا کہ دین مقدم ہے اس کے مقابلے میں نہ وطن مقدم ہے اور نہ رنگ و نسل و زبان۔ جبکہ مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی اور اس کے ہم مشرب مولویوں کا عقیدہ وہی تھا جو اس نے کہا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں"۔

[60] اور اس کے متعلق ظفر علی خان نے کہا تھا:

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملّت ہے وطن سے — حالانکہ فرمودۂ شاہِ دو سَرا اور

ظفر علی خان کا یہ شعر "چمنستان" (۱۲۲) میں موجود ہے۔ (حقائق نامہ دار العلوم دیوبند، ص ۴۰)

اور اس کے متعلق خان صغیر حسین خان نظیر لدھیانوی نے کہا تھا:

ہاں حسین احمد ہی شیخ الہند تھا کل تک ضرور — آج ہے لیکن مقام مصطفیٰ سے بے خبر
مسجد نبوی میں جو کل تک رہا گرم سجود — وارد ھاسے آشرم میں جھک گیا آج اس کا سر

(تحریک پاکستان، ص ۳۹۰) (حقائق نامہ دار العلوم دیوبند، ص ۴۰)

اور انہی دنوں چوہدری عبد المجید نے گوجرانوالہ ایک نظم بعنوان "گاندھی کے مولانا" ۱۴/اگست ۱۹۴۵ء کے اخبار نوائے وقت میں شائع کروائی اس کے دو بند ملاحظہ ہوں:

مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی کے اس فتویٰ کے بارے میں تحریک پاکستان کے رکن ممتاز مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی [61] کی بھی سنیے جو انہوں نے اپنے ایک یادگار انٹرویو میں کہا،

پیغمبر کے تم ہی جانشین تھے — اس اُمت کے تمہیں تاج نگین تھے
تمہیں تو حامل شرع مبین تھے — تمہیں تو مشعل ایمان و دین تھے
مگر اب دین باقی ہے نہ ایمان — مسلمان آپ کے ہاتھوں ہے نالاں
ذرا تو سوچیے اسلاف کیا تھے — وہ امت کے حقیقی رہنما تھے
وہ ملت پر دل و جان سے فدا تھے — وہ محبوب خدا و مصطفیٰ تھے
مگر آپ ہیں گاندھی جی کے محبوب — وہ طالب آپ کے آپ ان کے مطلوب

(حقائق نامہ دارالعلوم دیوبند، ص ۴۰۔۴۱)

61 ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا تعارف تحریک پاکستان کے رہنما، ممتاز ماہر تعلیم اور بین الاقوامی شہرت یافتہ مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی رئیسہ ضلع مارہرہ (یوپی) میں ۲۰ر نومبر ۱۹۰۳ء کو پیدا ہوئے، اور ۱۹۲۶ء میں تاریخ میں یونیورسٹی آف دہلی سے بی، اے آنرز کیا اور ۱۹۲۸ء میں اسی یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم، اے کیا اور ۱۹۲۹ء میں اسی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم، اے کیا اور ۱۹۳۹ء میں یونیورسٹی آف کیمبرج (برطانیہ) سے تاریخ میں ڈاکٹریٹ کیا اور مختلف یونیورسٹیز میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ آپ کو اردو، انگریزی، فارسی، عربی، اطالوی، فرانسیسی زبان پر یکساں قدرت حاصل تھی خصوصاً اردو اور انگریزی پر بے پناہ مہارت رکھتے تھے۔ تحریک پاکستان میں بذاتِ خود شامل رہے، انہوں نے اس عہد کی تاریخ کو اپنی آنکھوں سے بنتے دیکھا اور وہ ایک بالغ نظر صاحب الرائے بلکہ تاریخ نویسی میں مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل تھے اور اُن کا شمار قائداعظم کے معتمد ترین ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ خبر رساں ایجنسی اے پی پی کی ایک اطلاع کے مطابق ۱۹۳۰ء میں جو رہنما قائداعظم کو ہندوستان واپسی پر آمادہ کرنے برطانیہ گئے اُن میں ڈاکٹر صاحب بھی شامل تھے۔ مسلم لیگ کی تنظیم نو کے بعد قائداعظم کی اہم تقاریر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھا کرتے تھے، اسی طرح لیاقت علی خان کی تقاریر بھی ڈاکٹر قریشی نے لکھی تھیں، ایک روایت کے مطابق قرارداد مقاصد کا مسوّدہ بھی ڈاکٹر قریشی نے تیار کیا اور اردو میں اس کا مستند ترجمہ بھی انہوں نے ہی کیا اور ۲۲ جنوری ۱۹۸۱ء اسلام آباد

چنانچہ ایڈیٹر لکھتے ہیں: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے تحریک پاکستان میں علماء، طلباء، تاجروں اور سیاستدانوں کے کردار کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے کہا علماء کی دو جماعتیں تھیں، ایک پاکستان کے حق میں تھی اور دوسری پاکستان کی مخالفت میں۔ انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) کے درمیان مخالفت کی ابتداء اس وقت ہوئی جب ۱۹۳۸ء میں دہلی کی جنگل والی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے مولانا حسین احمد مدنی نے کہا کہ دنیا میں جتنی بھی قومیں

میں انتقال ہوا اور ۲۳ر جنوری کو کراچی میں آپ کی نماز جنازہ خیر آبادی مکتبہ فکر کے روشن چراغ مولانا منتخب القادری نے پڑھائی، سبزی منڈی کے قریب واقع قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

(دو قومی نظریہ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مطبوعہ: سورتی اکیڈمی، کراچی)

ڈاکٹر قریشی کے انتقال پر تحریک پاکستان کے عظیم رہنما مولانا عبدالستار خان نیازی نے فرمایا کہ وہ تحریک پاکستان کے رہنما، ماہر تعلیم، اردو کے خدمتگار اور اسلامی اقدار کو قومی سطح پر فروغ دینے کے زبردست حامی تھے، انہوں نے تحریک بحالی جمہوریت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں جو نمایاں کردار انجام دیا وہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔

(دو قومی نظریہ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص۴۶)

تخلیق پاکستان اور علماء اہلسنت کے مصنف حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری نے فرمایا کہ وہ ایک عظیم کردار شخصیت کے مالک تھے، ان کی حب الوطنی مثالی تھی۔ کراچی میں یوم رضا کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے دو قومی نظریہ کے حامی علماء کی تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جو فضیلت بیان کی تھی، اس سے ایک مستقل تاریخی بددیانتی کا ازالہ ہوا، خصوصاً ڈاکٹر قریشی نے اپنی کتاب علماء ان پالیٹکس میں فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کے دو قومی نظریہ کی ترویج واشاعت کے سلسلہ میں خدمات کا جس مستحسن انداز میں تذکرہ کیا ہے، وہ ہمارے تذکرہ نویسوں اور مؤرخین کے لیے اظہارِ حق کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

(دو قومی نظریہ کے حامی اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص۴۷)

بنتی ہیں ان کی بنیاد وطنیت ہے، مذہب نہیں، چونکہ یہ بات علامہ اقبال اور اسلام کے فلسفے سے متصادم تھی لہٰذا علامہ اقبال نے وہ مشہور شعر کہے۔ [62]

اور انجمن طلبہ اسلام کراچی کی جانب سے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں منعقد ہونے والے ایک مذاکرے میں انہوں نے کہا کہ جس نازک دور میں جب مسلمان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے، مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) نے دہلی کی مسجد میں یہ کہا کہ مسلمان اور ہندو ایک قوم ہیں کیونکہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں تو علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں اس نظریہ کا فوراً رد کیا۔

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است　　　　چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

انہوں نے کہا کہ ملک، وطن، ثقافت، زبان، قومیت کی بنیاد نہیں، بلکہ ملت عقیدے اور ایمان سے بنتی ہے اور ایمان مقام یا رنگ و نسل کا پابند نہیں ہے۔ [63]

پھر کچھ لوگ حسین احمد دیوبندی کے ہم مسلک کہتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال اور حسین احمد دیوبندی کے مابین آخر وقت میں مفاہمت ہوگئی تھی، یہ بالکل غلط ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ [64]

---

[62] جسے ہفت روزہ "افق" کے سابق ایڈیٹر احمد مجاہد نے تحریر کیا اور اسی ہفت روزہ میں ۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ (جیسا کہ دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو ۲، ص ۳۰)

[63] یہ مذاکرہ ۶/فروری ۱۹۷۸ء کو منعقد ہوا، جسے روزنامہ نوائے وقت کے سب ایڈیٹر حاجی احمد مجاہد نے ماہنامہ فیضان لاہور کے لیے تحریر کیا، اس مذاکرے کی رپورٹ مارچ ۱۹۷۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی، جیسا کہ کتاب "دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی" کے عنوان "ایک یادگار مجلس مذاکرہ"، ص ۳۵ پر ہے۔

[64] ڈاکٹر قریشی نے بھی اس سے انکار کیا ہے ہفت روزہ "افق" میں شائع ہونے والے انٹرویو میں ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کی تردید کی کہ علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) کے درمیان اختلافات افہام و تفہیم کے ذریعے طے ہوگئے تھے، بلکہ مولانا مدنی (دیوبندی) نے علامہ اقبال کی تحریروں پر تاویلوں کے انبار لگادیئے، اس

عزیزانِ گرامی! جب بھارت میں تہلکہ مچ گیا۔ سارے بدمذہب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ انگریز چلا جائے گا لیکن کوشش کرنی چاہیے کہ انگریز متحدہ ہندوستان رکھے۔ اقتدار کانگریس کو دے کر جائے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب یہ تحریک علماء اہلسنت کی بہت عروج پر چلی حتیٰ کہ تمام علماء دیوبند کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ پاکستان بن جائے گا۔ انہوں نے یہ کیا کہ اپنے

سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ وہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹ گئے تھے جب کہ جمعیت علماء ہند (وہابی دیوبندی علماء کی بڑی تعداد اسی جماعت میں تھی اور یہ جماعت گاندھی اور ہندوؤں کے موقف کی حامی تھی اس لیے ڈاکٹر قریشی نے کہا کہ دیوبندیوں کے دو چار علماء کے علاوہ باقی ماندہ حصہ تو ہندوؤں میں مدغم ہو چکا تھا) کے لوگ بھی اپنے موقف (اکھنڈ بھارت) سے پیچھے نہیں ہٹے۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو ۲، ص ۳۰)

اور روزنامہ حریت کے سابق سب ایڈیٹر خواجہ رضی حیدر کے تاریخ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کو ڈاکٹر قریشی سے لیے گئے انٹرویو میں ہے جسے 8 جنوری ۱۹۷۹ء کو ہفت روزہ افق کراچی نے شائع کیا تھا: ''بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) میں آخر وقت میں مفاہمت ہو گئی تھی اور اگر ارمغان حجاز ڈاکٹر محمد اقبال مرتب کرتے تو وہ ان اشعار کو اس سے نکال دیتے جو انہوں نے حسین احمد مدنی (دیوبندی) کے بارے میں کہے تھے''، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ہمارے پاس جو ارمغان حجاز ہے اس میں تو وہ اشعار موجود ہیں، مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) نے دہلی کی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں جب علامہ اقبال نے یہ سنا تو انہوں نے اپنے مشہور اشعار ''عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ'' کہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے توجیہات کو قبول کر لیا تھا تو جب تک ہمارے پاس ثبوت نہ ہو ہم کیسے اسے تسلیم کر سکتے ہیں، اقبال کی تحریروں سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ ایسی مفاہمت ہو گئی تھی، اگر مفاہمت ہو گئی تھی تو عجیب بات ہے کہ ارمغانِ حجاز اُن کی زندگی میں مرتب اور شائع ہوئی، اگر وہ چاہتے تو اشعار نکلوا دیتے لیکن یہ اشعار اب تک موجود ہیں۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ ا، ص ۲۵۔۲۶)

دو تین مولوی مسلم لیگ میں چور دروازے سے بھیج دیے[65]۔ وہ کون تھے؟؟۔ مولوی شبیر احمد عثمانی چور دروازہ سے مسلم لیگ میں آئے، اس کے علاوہ مولوی ظفر احمد انصاری۔ انہوں نے یہ طے کیا کہ اگر پاکستان بن گیا تو ہماری واہ واہ بھی ہو جائے گی کہ علماءِ دیوبند بھی تحریک آزادی میں شامل ہیں اور اگر پاکستان نہیں بنا تو ہم تو ہیں ہی ہندوستانی۔[66]

---

[65] جدوجہد آزادی اور تحریک پاکستان کے ممتاز رکن محمد علی جناح کے معتمد ساتھی اور عالمی شہرت یافتہ مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی دیوبندی علماء کے بارے میں یہی کہا، چنانچہ ان کے ۲۶ر دسمبر ۱۹۷۸ء کے انٹرویو میں ہے: "دو چار علماء کے علاوہ دیوبندیوں کا باقی ماندہ حصہ تو ہندوؤں میں مدغم ہو چکا تھا"۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص۲۰)

[66] یہ آ تو گئے مگر کوئی ان سے پوچھ کر تو دیکھے کہ ان کے ساتھ کیا بیتی، چنانچہ ڈاکٹر کوکب اوکاڑوی حقائق نامہ دارالعلوم دیوبند (ص۴۱) میں لکھتے ہیں: "اِن علماءِ دیوبند میں سے جناب شبیر احمد عثمانی نے ضرور قائداعظم کا ساتھ دیا مگر اس جرم کی پاداش میں ان کا جو حشر ہوا وہ خود اُن کی زبان قلم سے ملاحظہ ہو: "دار العلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کیے ہیں جن میں ہمیں ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا، دارالعلوم کے طلباء نے میرے قتل تک کے حلف اُٹھائے اور فحش اور گندے مضامین میرے دروازے پر پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جائے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جائیں، کیا آپ (علماء دیوبند) میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا بلکہ میں کہہ سکتا ہوں بہت سے لوگ اس کمینہ حرکت پر خوش ہوئے تھے"۔ (مکالمۃ الصدورین، ص۲۱)

قارئین کرام کیا آپ کو معلوم ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کو حمایت پاکستان کی پاداش میں گالیاں دینے والے اور ان کے قتل کے درپے ہونے والے کون تھے؟ وہ سب کے سب مولانا کے شاگرد تھے چنانچہ خود ان کا اپنا بیان ملاحظہ ہو جو مکالمۃ الصدورین، ص ۳۲۔۳۳ طبع ہاشمی بک ڈپو میں ہے: "دار العلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کیے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا

جب تحریک چلی تو دیوبندی مولوی مفتی محمود احراری احرار کا لیڈر، حبیب الرحمٰن لدھیانوی کیا کہتے ؟ پوچھو آج مولوی فضل الرحمٰن سے جو جمعیت علمائے اسلام کے قائد ہیں پوچھو کیا تمھارے ابا کے قائد نے یہ بیان دیا یا نہیں، اس نے یہ کہا:

"دس ہزار جناح شوکت اور ظفر نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں"۔ [67]

گیا، آپ حضرات نے اس کا بھی کیا تدارک کیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے کہ اُس وقت دارالعلوم کے تمام مدرسین مہتمم اور مفتی سمیت بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے"۔

(تحریک نظریہ پاکستان، ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، مجریہ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ، اگست ۱۹۸۷ء، ص ۶۲)

اور اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دیوبندی ذہنیت تحریک پاکستان کی کس قدر مخالف تھی، پاکستان کے خلاف ان کے دل ودماغ میں کس قدر زہر تھا کہ ان کا کوئی اپنا ہم مسلک حتیٰ کہ اپنا استاد بھی اگر تحریک پاکستان کی حمایت کرتا ہے تو اُسے بھی گالیاں اور قتل کی دھمکیاں دی جاتی تھیں اگرچہ اس کے حمایت کرنے اور اس طرف آنے میں اُن سب کی فلاح تھی اور وہ اس لیے آیا ہے کہ پاکستان بن جاتا ہے تو ہماری آڑ میں ان کے لیے بھی پناہ کا سامان ہو سکے۔

یاد رہے کہ مولانا عثمانی نے "جمعیت علماء ہند" سے الگ ہو کر انگریز کے ایماء پر "جمعیت علماء اسلام" کے نام سے جماعت بنائی تھی کی اور پاکستان کی "جمعیت علمائے اسلام"، وہ "جمعیت علمائے اسلام" نہیں جو قیامِ پاکستان سے قبل قائم کی گئی بلکہ وہ "جمعیت علماء ہند" ہے جو تحریک پاکستان کی مخالف اور کانگریس کی ہمنوا تھی جس کا نام بعد میں تبدیل کر دیا گیا، تقسیم سے قبل بننے والی "جمعیت علماء اسلام" بھی انگریز کی مدد اور اشارے پر قائم کی گئی تھی، چنانچہ مکالمۃ الصدورین (ص ۷) میں ہے "جناب حفیظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں "جمعیت العلمائے اسلام" حکومت (برطانیہ) کی مالی امداد اور ایماء کے ایمان پر قائم ہوئی ہے۔ (حقائق نامہ دارالعلوم دیوبند، ص ۴۴)، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ جماعت بھی انگریز نے اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے بنائی ورنہ اسے اس کے قیام کے لیے مالی امداد دینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ انگریز وہیں خرچ کرتا ہے جہاں اس کا کوئی مفاد ہو۔

[67] چمنستان، ص ۱۶۵

احراری مفتی محمود کے ٹولے نے یہ کہا "یہ پاکستان نہیں پلیدستان" ہے۔ یہ "قائداعظم" نہیں "کافراعظم" ہے۔ بتاؤ یہ کس نے کہا[68]

---

[68] یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ لوگ نہ جانتے ہوں کہ یہ کس نے کہا تھا ہم نے تو بچپن سے اپنے بزرگوں سے سنا کہ وہابی دیوبندی عقائد رکھنے والے مولویوں نے یہ کہا تھا اہلسنت کے مخالفین نے یہ زہر اگلا تھا اور اس پر تاریخ پاکستان پر لکھی جانے والی کتب ورسائل ومضامین گواہ ہیں، سب سے بڑھ کر رپورٹ جسٹس منیر تحقیقاتی عدالت شاہد ہے جو اس کے الزام نہ ہونے اور حقیقت ثابتہ ہونے کیا بین ثبوت ہے اور مزید یہ کہ ہائیکورٹ کے اس فیصلے کو جس میں ان لوگوں پر پاکستان کی مخالفت اور نازیبا کلمات استعمال کرنے کا جرم ثابت ہوا، اس فیصلے کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اگر وہ الزام تھا تو ان لوگوں نے اس فیصلے کو اعلیٰ عدالت پر یعنی سپریم کورٹ میں چیلنج کیوں نہ کیا اور اپنی صفائی کیوں نہ پیش کی، کیسے جاتے سپریم کورٹ اگر جاتے بھی تو اپنی صفائی کیا کہتے، کیا پیش کرتے کہ ان کی پاکستان دشمنی کے ثبوت خود ان کی دینی کتب ورسائل وجرائد میں موجود تھے، اس لیے انہوں نے خاموشی اختیار کرنے میں اپنی عافیت سمجھی کہ خاموش رہا جائے، ایک عرصہ گزرنے کے بعد عوام یہ سب کچھ بھول بھال جائیں گے، پھر نئی نسل کو تو اس کا بالکل علم ہی نہ ہوگا اس طرح سیاست میں ایک مقام حاصل کرنے کے لیے عوام کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، اس طرح حکومت ہمارے ہاتھ آجائے گی چنانچہ اس مقام پر وہابیوں، دیوبندیوں کی چند لغویات کو بطور نمونہ پیش کردیا جاتا ہے، ان میں سے کوئی احراری کہلاتا تھا تو کوئی جمعیت علماء ہند کا رہنما، کوئی کانگریس کا ہمنوا تو کوئی اہلحدیث، کوئی دارالعلوم دیوبند میں استاد تھا تو کوئی طالب علم، کوئی جماعت اسلامی کا بانی تو کوئی اس کا ہمنوا:

۱۔ قائداعظم کافراعظم ہے۔ (ماہنامہ ترجمان اہلسنت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/محرم الحرام ۱۳۹۸، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص ۳۔۲۷، لائن ۱) (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالفین علماء کا بیان، ص ۲۳)

۲۔ "یہ کافراعظم ہے یا قائداعظم"۔ بحوالہ حیات محمد علی از رئیس احمد جعفری (تحریک پاکستان اور علمائے حق، ص 9)

۳۔ "اک کافرہ کے واسطے اسلام چھوڑا"۔ (رپورٹ جسٹس منیر تحقیقاتی عدالت، ص ۱۱، سطر ۷) (ماہنامہ ترجمان اہلسنت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص ۹-۱۰) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۴)

۴۔ "یہ قائداعظم ہے کہ کافراعظم"۔ بحوالہ حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری (ماہنامہ ترجمان اہلسنت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص ۱۰۹) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۴)

نئی دہلی ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حسین احمد مدنی نے "قائداعظم" کو "کافراعظم" کا لقب دیا۔ بحوالہ مجموعہ مکالمۃ الصدورین، ص ۴۸ (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالفین علماء کا بیان، ص ۲۲-۲۳)

۵۔ "پاکستان پلیدستان ہے"۔ (خطبات احرار، ص ۹۹)

۶۔ "احرار پاکستان کو "پلیدستان" سمجھتے ہیں"۔ بحوالہ خطبات احرار (تحریک پاکستان اور علمائے حق، ص ۹)

۷۔ "احرار لیڈروں نے اپنی تقریروں میں پاکستان کو پلیدستان بھی کہا"۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ج ۱۰، سطر ۲۵، ص ۲۷۵، سطر ۱)

۸۔ "کتوں کو بھونکتا چھوڑ دو، کاروانِ احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو، احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا وطن نہیں، احرار اس کو پلیدستان سمجھتے ہیں"۔ (بیان چوہدری افضل حق، مندرجہ خطبات احرار ص ۹۹) (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص ۸۸۴) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۶)

۹۔ مولوی محمد علی جالندھری نے تقسیم سے پہلے تقسیم کے بعد پاکستان کے لیے "پلیدستان" کا لفظ استعمال کیا۔ بحوالہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص ۲۷۵ (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۲-۲۵)

۱۰۔ دیوبندی مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو علی پور کی احرار کانفرنس میں اپنی تقریر میں ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کیا کہ مسلم لیگ کے لیڈر بے عملوں کی ٹولی ہیں جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ خاکستان ہے۔ (بحوالہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص ۲۷۳) (مخالفینِ پاکستان، ص ۳۷)

۱۱۔ عطاء اللہ شاہ بخاری نے علی پور کی احرار کانفرنس میں کہا: "مسلم لیگ کے لیڈر جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں "خاکستان" ہے"۔ بحوالہ روزنامہ ملاپ، ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء، اور استقلال نمبر روزنامہ جدید ۱۹۵۰ء (انگریز اور ان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۴)

دیوبندیوں اور مودودی توپاکستان کو پلیدستان، ناپاکستان، اور خاکستان کے نام سے یاد کرتے تھے جب کہ اہلسنت و جماعت کے مشہور عالم دین اور اپنے وقت کے بہترین مقرر حضرت علامہ مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب کوٹلوی متحدہ ہندوستان کے دہلی، بمبئی، کلکتہ وغیرہ کے بڑے بڑے اجتماعات میں یہ شعر پڑھا کرتے:

پاک اللہ، پاک احمد، پاک جسم وجان ہو کیوں نہ رہنے کے لیے بھی ملک پاکستان ہو

یہ شعر پڑھ کر دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں کو بتادیا کہ ہم جس ملک کے لیے جدوجہد کررہے ہیں وہ نہ "پلیدستان" ہے اور نہ "ناپاکستان" ہے بلکہ وہ "پاکستان" ہے۔ (حاشیہ مخالفین پاکستان، ص۳۶)

۱۲۔ احرار کی شریعت کے رہبر مولانا عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سب سور ہیں اور سود کھانے والے ہیں۔ (چمنستان، ص۱۶۵) (ماہنامہ ترجمان اہلسنت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص۱۰۹) (دیوبندی مذہب، ص۳۴۵)

۱۳۔ مولانا فضل الرحمٰن کے والد مفتی محمود احمد احراری دیوبندی نے فتویٰ دیا تھا کہ مسلم لیگ کو ووٹ دینے والوں کا نکاح فسخ ہوجائے گا۔ (بحوالہ روزنامہ ندائے ملت لاہور، ۳جون ۱۹۷۰ء) (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص۲۶) (تحریک پاکستان اور علمائے حق، ص۹) (مخالفین پاکستان، ص ۳۱)

۱۴۔ دیوبندی امیر شریعت کا اعلان: دس ہزار جناح، شوکت اور ظفر، نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں۔ (چمنستان، ص۱۶۵) (ماہنامہ ترجمان اہلسنت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص۹۔۱۰) (دیوبندی مذہب، ص۳۴۴)

۱۵۔ لدھیانوی صدر مجلس میرٹھ میں اس قدر جوش میں آئے کہ فرماتے تھے: "دس ہزار جینا (محمد علی جناح) اور شوکت (حیات) اور ظفر (علی خان) جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں"۔ (بحوالہ چمنستان، ص ۱۲۵) (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالفین علماء کا بیان، ص۲۵)

ان کلمات پر نوائے وقت ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء میں تبصرہ شائع کیا کہ: "اسے کیا کہیے: کہ ادھر دس ہزار جناح و شوکت و ظفر کو ایک دشمن اسلام کافر کی جوتی کی نوک پر قربان کیا جارہا ہے، لیکن دوسری طرف پنڈت زادہ وزادی وجے لکشمی کے

نزدیک یہی جناح اتنا وزنی و بھاری ہے کہ اگر مسلم لیگ میں ایک سو گاندھی اور دو سو ابو الکلام آزاد ہوتے ان کے مقابلے میں صرف ایک جناح ہوتے تو ملک کبھی تقسیم نہ ہوتا۔ (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۵)

۱۶۔ مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا: "پاکستان ایک بازاری عورت ہے ہم نے اسے مجبوراً قبول کیا ہے"۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص ۲۷۵، سطر ۴، بیان مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری) (دیوبندی مذہب ص ۳۴۶) (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۴)

۱۷۔ عطاء اللہ شاہ بخاری نے پسرور کانفرنس ۱۹۴۶ء میں کہا: " پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے۔ (روزنامہ جدید نظام استقلال نمبر، ۱۹۵۰ء) (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص ۸۸۳) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۵)

۱۸۔ ان لوگوں کو شرم نہیں آتی وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں سچ ہے کہ پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ کی بانی کمانڈ ایک سپیرا ہے۔ (آزاد، ۹ نومبر ۱۹۴۶ء) (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص ۸۸۴) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۵)

۱۹۔ مسلم لیگ والے سب کے سب ارباب غرض اور رجعت پسند ہیں لہٰذا ووٹ مسلم لیگ کی بجائے کانگریس کو دینے چاہئیں۔ (ملخصاً چمنستان، ص ۱۵۱) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۴-۳۴۵)

۲۰۔ نئی دہلی ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حسین احمد (مدنی دیوبندی) نے مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیا۔ بحوالہ مجموعہ مکالمۃ الصدورین، ص ۴۸ (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۲-۲۳)

ان لوگوں کی اسلام و پاکستان دشمنی کو دیکھ کر ان کے ہم مسلک ظفر علی خاں یوں گویا ہوئے:

نہرو ہے دولہا تو دلہن مجلس احرار — ہو پیر بخاری کو مبارک یہ عروسی

(چمنستان، ص ۱۵۹)

ہندوؤں سے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے — گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے
حرف پنجاب میں ناموس نبی پر آیا — قائم اس ظلم کی بنیاد ان اشرار سے ہے
آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل — تو یہ سب ذلت اس طبقہ کے مقدار ہے

(بحوالہ چمنستان، ص ۴) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۵)

۲۱۔ جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی نے کہا: "جو لوگ پاکستان کے مخالف تھے جب یہ کہتے تھے یہ محض فریب ہے، سیاسی چال ہے تو کیا وہ غلط کہتے تھے۔

(ترجمان القرآن، ج ۴۳، عدد ۶، بابت جُمادی الاخریٰ ۱۳۷۴ھ) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۶)

۲۲۔ کانگریس جمیعۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں مولوی حبیب الرحمٰن اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے مسلم لیگ کو جو گالیاں سنائیں ان کا ذکر اخباروں میں آچکا ہے، ان لوگوں نے مسٹر محمد علی جناح کو یزید اور مسلم لیگ کے کارکنوں کو یزیدیوں سے تشبیہ دی، خدا کا شکر ہے کہ کہیں گاندھی کو امام حسین سے مشابہ قرار نہیں دیا۔ بحوالہ اخبار، انقلاب، لاہور، ۱۵/ مارچ ۱۹۳۹ء (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۴)

۲۳۔ معمر مسلم لیگی رہنما سردار شوکت حیات نے کہا کہ "قائد اعظم کے حکم پر میں اور راجہ غضنفر علی خان ۱۹۴۶ء میں جب قائد اعظم کا پیغام لے کر مولانا مودودی کے پاس گئے اور کہا آپ پاکستان کے لیے دعا کریں تو (بانی جماعت اسلامی) مولانا (مودودی) نے کہا آپ میرے پاس "ناپاکستان" کے لیے دعا کروانے آئے ہیں۔ بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور، ۱۷/ دسمبر ۱۹۸۴ء (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۷)

۲۴۔ مولانا مودودی نے کہا" جب میں مسلم لیگ کی ریزولیشن (قرارداد پاکستان) کو دیکھتا ہوں تو بے اختیار میری روح ماتم کرنے لگتی ہے"۔ (بحوالہ سیاسی کشمکش، مودودی، حصہ سوم، ص ۳۷)

(انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۷)

۲۵۔ الحدیث مولوی قاسم بنارسی نے کہا کہ پاکستان کا نعرہ محض ایک ڈھونگ ہے۔ بحوالہ پیغام ہدایت ص ۸۰ (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۷-۲۸)

یاد رہے کہ اہلحدیث کانگریس کے حامی تھے چنانچہ اہلحدیث مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی نے لکھا ہے کہ "بہت سے اہلحدیث علماء اور عوام و امراء کانگریس کا ساتھ دیتے تھے"۔

(بحوالہ انتقال الجمہور ص ۱۲) (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء ص ۲۷)

اور یہ بات تو میرے نو جوان ساتھیوں کو شاید معلوم نہ ہو کہ ان کو تاریخ غلط پڑھائی گئی ہے کیونکہ بڑی چالاکی سے بد مذہب لوگوں نے حکومت کی خاطر مدارت کر کے اپنے پیشواؤں کے نام نصاب کی کتابوں میں داخل کر دیے [69] اور علماء و مجاہدین اہلسنت کے کارناموں کا ذکر ہی نہیں کیا [70] اور پاکستان کی تاریخ کو مسخ کر کے نوجوانوں کو پڑھایا گیا۔ ایک بات یہ بھی تھی جو قومی

---

69 تاریخی بد دیانتی: اس تاریخی بد دیانتی کے بارے میں ممتاز مؤرخ خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں: علامہ اقبال کا خواب جب تشکیل پاکستان کی صورت میں پورا ہوا تو موقع شناسوں اور مفاد پرستوں نے اس نو مولود ریاست میں ہر طرف دام ہمر نگ زمیں پھیلا دیئے اور اپنی وفاداری اور حب الوطنی کا ایسا ڈھونگ رچایا کہ اصل اور نقل کی تمیز اٹھ گئی، مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) اور مولانا ابوالکلام آزاد (وہابی) کو اپنا مقتداء اور پیشوا تسلیم کرنے والے افراد ایوان سیاست میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے (جیسے مودودی اور اس کی جماعت اور مفتی محمود اور اس کی جماعت) اور سرکاری و غیر سرکاری ذرائع ابلاغ پر اپنا تسلط اس طرح قائم کیا کہ علماء حق کی آواز دب کر رہ گئی، قطرے کو سمندر اور ذرے کو آفتاب بنا کر پیش کیا گیا، بے بنیاد حکایات کو صداقت کا پیراہن دیا گیا اور وہ سب کچھ الم نشرح کر دیا گیا جس کا کوئی وجود بھی نہیں تھا۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سخن گسترانہ بات، ص ۹)

70 بین الاقوامی مؤرخ کی خدمت میں شکایت: تاریخ دانوں کی اس بد دیانتی اور تاریخ میں علماء و مجاہدین اہلسنت کا ذکر نہ ہونے کا تذکرہ تحریک پاکستان کے اہم رکن اور بین الاقوامی مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے بھی کیا گیا چنانچہ کتاب '' دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی ''میں ہے: ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا گیا کہ علماء اہلسنت کو اس قدر نظر انداز کیا گیا ہے اور غیر نے اتنی شہادتیں سامنے رکھ دی ہیں کہ ان کی تردید کے لیے ایک عرصہ درکار ہے تو انہوں نے فرمایا: ''تردید کی ضرورت نہیں بلکہ جو کچھ ہوا اسے مثبت انداز میں پیش کریں سب کچھ لکھا جا رہا ہے''۔

(دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی ص ۱۹)

ڈاکٹر قریشی مرحوم نے ان کلمات میں اہلسنت میں اُن لوگوں کو مشورہ دیا ہے جو صاحب قلم ہیں کہ وہ جدو جہد آزادی اور تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے، قیام پاکستان کے لیے جدو جہد کرنے والے اسلاف کے تذکرے لکھیں تو

اسمبلی کے ریکارڈ میں بھی موجود ہے کہ جب ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم تھے، جمعیت علمائے اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) کے قائد کے والد مفتی محمود نے قومی اسمبلی کے فلور پر یہ بیان دیا:

"اللہ کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں ہیں"۔[71]

جھوٹ کی تردید خود بخود ہو جائے گی کیونکہ جب حق آتا ہے تو باطل وہاں نہیں رہتا اور یہ حقیقت ہے کہ ایک عرصے تک ہم لوگوں نے اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہمارا نوجوان مسلمانوں کے غداروں، ہندوؤں کے یاروں، پاکستان کے مخالفوں کو مسلمانوں کا خیر خواہ اور قیام پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے والا سمجھتا ہے کیونکہ اس کو جو تاریخ پڑھائی گئی اس میں یہی لکھا ہوا تھا لہٰذا آزادی کے لیے قربانیاں دینے والوں اور قیام پاکستان کے لیے شب و روز محنت کرنے والوں کا ذکر کرنا ان کے کارناموں سے عوام الناس کو روشناس کرانا ازبس ضروری ہے۔ اس سے ان کی تردید بھی ہوگئی کہ ماضی کے ذکر کو اور اسلاف کے تذکروں کو غیر مفید سمجھتے ہیں۔

[71] موصوف احراری تھے اور احرار کی پاکستان اور تحریک پاکستان میں شامل علماء و مشائخ اور سیاسی لیڈران اور عوام سے دشمنی روز روشن کی طرح عیاں ہے اور خود مفتی محمود صاحب نے بھی پاکستان بننے سے قبل ایک فتویٰ دیا جو تاریخ کے اوراق کا حصہ ہے، چنانچہ مولانا ابوداؤد صادق روزنامہ "ندائے ملت" لاہور کی ۳ جون ۱۹۷۰ء کی اشاعت کے حوالے سے لکھا، مفتی محمود نے فتویٰ دیا تھا کہ مسلم لیگ کو ووٹ دینے والوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا اور پاکستان بننے کے بعد وہ نازیبا کلمات کہے جن کو مصنف نے ذکر کیا اور مولانا ابوداؤد صادق نے لکھا ہے کہ مفتی محمود نے ۱۷ ستمبر ۱۹۷۵ء کو بمقام کوٹھی چوہدری ظہور الٰہی گلبرگ لاہور میں متحدہ محاذ کے اجلاس میں کہا "خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں تھے" معلوم ہوا موصوف نے یہ کلمات ایک بار نہیں متعدّد بار متعدّد مقامات پر کہے تھے اور وہ کبھی بھی پاکستان کے ساتھ مخلص نہ تھے چنانچہ لکھتے ہیں: "مفتی محمود اپنے معتقدین کی محفلوں میں کہتے رہتے تھے پاکستان ٹوٹتا ہے تو ٹوٹے ہمیں کیا، ہمارے اکابرین پاکستان کے خلاف تھے"۔ نیز مفتی محمود نے راولپنڈی کی محفل میں کہا "میں پنجابیوں پر پیشاب کرتا ہوں" یہ الفاظ کہتے وقت انہوں نے مولانا عبید اللہ انور اور مولانا عبد اللہ درخواستی وغیرہ اپنے اکابر کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔ (ملخصًا) (بحوالہ ہفت روزہ الجمعیۃ، پنڈی، ۸ دسمبر ۱۹۷۳ء، ص ۱۴)

غور کریں! جمعیت علمائے اسلام کا قائد یہ کہہ رہا ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد وہ اس ملک سے کس طرح وفادار ہو سکتے تھے کہ پاکستان بننے کے بعد بھی کہتے ہیں کہ ہم اس کے بنانے کے گناہ میں شریک نہیں، دوسری طرف احرار کا مشہور مولوی، وہابیوں کا بہت بڑا سرخیل عطاء اللہ شاہ بخاری وہ تو ہندوؤں کے اتنا قریب ہو گیا کہ جس کی انتہاء نہیں کہ خود ان کے ہم مشرب، ہم مسلک ظفر علی خان نے جب عطاء اللہ شاہ بخاری کو دیکھا کہ اتنا بڑا احرار کا مولوی ہے اور نہرو کی دھوتی سے چمٹ گیا ہے رات دیکھو اس کے پاس۔ دن دیکھو اس کے پاس، اسٹیج پر دیکھو اس کے پاس تو اس نے اپنے اخبار "چمنستان" (غالباً 1949ء کا چھپا ہوا اس کی نقل ہمارے پاس موجود ہے) بڑا عمدہ مصرعہ کہا:

نہرو جو بنے دولھا تو دلہن مجلس احرار — ہو پیر بخاری کو مبارک یہ عروسی

یعنی عطاء اللہ شاہ بخاری تم کو یہ عروسی مبارک ہو نہرو کو بناؤ دولھا اور دلہن بناؤ مجلس احرار۔ آپ غور کریں کہ سارے کے سارے بدمذہب کانگریس میں لگ گئے اور جب مودودی کی روح قرارداد پاکستان کو دیکھ کر ماتم کر رہی تھی اور وہ پاکستان کو ناپاکستان کہہ رہا تھا، دیوبندی مولوی اسے "پلیدستان" اور "خاکستان" اور خونخوار سانپ کہہ رہے تھے، مسلم لیگ کی قیادت کو سپیرا کہا جارہا تھا اور مسلم لیگ کی حمایت کرنے والوں کو سور اور سود کھانے والے بتایا جارہا تھا، جب یہ

(پاکستان اور انگریز کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۵۔۲۶)

لوگ بانیِ پاکستان کو"کافرِاعظم"[72] کے نام سے یاد کر رہے تھے، اس وقت مشائخ و علمائے اہلسنت ایک جگہ جمع ہوگئے اور پاکستان کی آزادی میں بھرپور حصہ لیا جب کہ آج یہ دندناتے گھوم رہے ہیں کہ پاکستان ہم نے بنایا۔

---

[72] بانی پاکستان کے بارے میں ان کے مولویوں کا نظریہ توآپ نے پڑھا، اب سنی علماء و مشائخ کا نظریہ بھی پڑھیے "سنی علماء کرام و مشائخ عظام محمد علی جناح کو دنیاوی امور میں اپنا رہنما قرار دیتے تھے، چنانچہ شیخ الفقہ حضرت مولانا عبدالمتین بہاری سے اس کے بارے میں ایک استفتاء لیا گیا جو مندرجہ ذیل ہے:

سوال: ابوالفتح عبید الرضا محمد حشمت علی خان اور محمد علی جناح کی شخصیت کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے، مسلمانوں کا خیر خواہ اور قوم کا رہبر صحیح معنوں میں کس کو قرار دیا جاسکتا ہے؟

جواب: دونوں ہی خیر خواہ قوم و رہبر ہیں، مگر دو اعتبار سے، مولانا حشمت علی خان صاحب دینی معاملات کے رہبر وہادی ہیں اور مسٹر محمد علی جناح دنیاوی معاملات کے رہبر ہیں چونکہ دنیاوی قوانین کے جاننے اور ان کے مفید و مضر ہونے کی واقفیت کا اُن کو بہت زیادہ علم ہے اور دشمنوں کی چال کا جواب اُن کو خوب معلوم ہے۔

(ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر، مجریہ ۷ تا ۱۴ جون ۱۹۴۶ء ص ۹)

اسی طرح امیر ملت سید جماعت علی شاہ صاحب کے متعلق منقول ہے کہ ۱۱ تا ۱۳/ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو امرتسر میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عرس منعقد ہوا جس کے آخری اجلاس میں امیر ملت نے صدارتی خطبہ میں فرمایا: "اس وقت مسلمانوں کے جھنڈے تلے منظم ہوجانا چاہیے، وہ جھنڈا صرف مسلم لیگ کا ہے۔ قائداعظم ہمارے سیاسی وکیل ہیں ہم ان کے حکم پر پاکستان جیسی سرزمین حاصل کرنے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور اسی دوران کسی نے سوال کردیا کہ جناح کافر ہے یا مسلمان؟ آپ نے برجستہ جواب دیا: "تمھیں کون سی ان کے ساتھ رشتہ داری کرنی ہے جو اس کا مذہب دریافت کرتے ہو، پھر فرمایا: "ہم نے جناح صاحب کو اپنا امام یا قاضی یا نکاح خواں مقرر نہیں کیا بلکہ وہ ہمارے وکیل ہیں ہم سب کا کام ہے جسے وہ کر رہے ہیں الخ، اور یہ بھی فرمایا:" پاکستان کے مخالفین کان کھول کر سن لیں کہ پاکستان بن کر رہے گا۔ پاکستان ہم سب کا ہے اکیلے مسٹر جناح کا نہیں ہے، وہ ہمارا کام کررہے ہیں، ہمارے وکیل ہیں"۔ (ملخصًا) (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ص ۸۲ ۸۳)

جب پاکستان کی تحریک چلی تو بانیِ پاکستان نے پوری دنیا میں پاکستان کو متعارف کرانے کے لیے کس کو بھیجا ؟؟ حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ[73] کو بھیجا۔ دوسرے حضرت علامہ

اور پیر غلام مجدد سرہندی (مٹیاری، سندھ) کے بارے میں منقول ہے کہ تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کی آپ نے ہر طرح سے بھرپور مدد کی اور اس کی ترقی کے لیے بھرچونڈی شریف کے پیر میاں عبد الرحمٰن قادری اور عبدالرحیم شہید کے ہمراہ آپ نے پورے سندھ کا دورہ کیا، کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ مسٹر جناح کے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں ؟تو آپ نے فرمایا: "ہمارے مقصد کو بروئے کار لانے والا یہی شخص ہوا ہے اگر کوئی اور ہوتا تو ہم اس کے پیچھے لگ جاتے، جناح تو ایک مسلمان وکیل ہے جو بغیر پیسے اور فیس کے مسلمانوں کی وکالت کر رہا ہے، کیا کافر کو وکیل نہیں بنایا جا سکتا بلکہ فیس بھی دی جاتی ہے۔ (انوار علماء اہلسنت سندھ، ص ۶۰۰) اسی میں ہے کہ "قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا"ہم اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے بلکہ ایک وکیل کر رہے ہیں جو انگریزوں اور ہندوؤں کا مقابلہ کر رہا ہے، بات کرنے کی طاقت رکھتا ہے ہمیں ایسا لیڈر نہیں ملے گا"۔(ص ۶۰۲)

سید صابر حسین شاہ بخاری نقل کرتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا اور حضرت مولانا غلام یزدانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ اعلیٰ حضرت) کے شاگرد تھے تقریر فرما رہے تھے ان کا بیان تھا کہ ہمیں بہر صورت قیام پاکستان کی حمایت کرنی چاہیے، لوگ محمد علی جناح پر اعتراضات کرتے ہیں اگر وہ صحیح بھی ہوں تو کچھ فرق نہیں پڑتا محمد علی جناح مسلمانان ہند کے وکیل ہیں، امیر المؤمنین نہیں، انہوں نے اچھے کام کا اقدام کیا ہے، دنیا میں ایک اسلامی سلطنت کی جدوجہد کر رہے ہیں جہاں لا الہ الا اللہ کا پیغام گونجے۔

(ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، مجریہ اگست ۱۹۹۷ء، ص ۱۸۴)

[73] عالم اسلام کے مشہور و معروف عالم دین اور تحریک خلافت و تحریک پاکستان کے صف اول کے قائد مجاہد ملت مولانا عبد الحامد بدایونی ابن عبد القیوم بدایونی شہید ۱۸۹۹ء میں بھارت کے شہر دہلی میں پیدا ہوئے، جب مولانا کے والد کا انتقال ہوا تو اس وقت مولانا عبد الحامد بدایونی عمر تقریباً ۲۰ یوم تھی، آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام آپ کی والدہ نے کیا، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی مدرسہ و دار العلوم قادریہ شمس العلوم بدایوں سے حاصل کی اور مدرسہ کانپور سے تعلیم کی تکمیل فرمائی، تعلیم کی تکمیل کے بعد مولانا دار العلوم شمس العلوم کے نائب مہتمم مقرر ہوئے، ۱۹۱۹ء میں بمبئی میں

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے پیر طریقت مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے پندرہ ہزار افراد کے اجتماع میں خلافت کمیٹی قائم کی اور تحریک خلافت شروع ہوئی تو مولانا اس سے وابستہ ہو گئے، خاص طور پر مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو آپ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی خوب مہمان نوازی کی اور عملی طور پر تحریک میں شامل ہو گئے آپ نے تحریک خلافت میں نئی روح پھونک دی لکھنؤ میں منعقدہ کانفرنس میں جب بمبئی کی محدود خلافت کمیٹی کو پورے ہندوستان میں پھیلانے کا فیصلہ کیا گیا تو مولانا اپنے بڑے بھائی مولانا نے عبد الماجد بدایونی کے ساتھ مل کر پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کیں، مولانا عبد الحامد بدایونی ضلعی خلافت کمیٹی کے جنرل سیکریٹری کے علاوہ صوبائی خلافت کمیٹی اور مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے، گاندھی بھی عیارانہ طور پر خلافت کمیٹی میں شامل ہو گیا اور اچھی پوزیشن حاصل کر لی، مسلمان ہندوؤں کو اپنا ہمدرد تصور کرنے لگے لیکن شدھی تحریک کے آغاز سے مسلمان کو گاندھی کی چالاکی سمجھ میں آگئی، مولانا عبد الحامد بدایونی اور آپ کے بھائی تحریک خلافت سے بدظن ہو کر انجمن تبلیغ اسلام انبالہ و آگرہ میں شریک ہو کر ممتاز علماء کرام جن میں صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا سید ابو الحسنات قادری، خواجہ حسن نظامی، مفتی عبد الحفیظ قادری، مولانا غلام قطب الدین برہمچاری کے ہمراہ اس جگہ (یعنی میوات) پہنچے جہاں شدھی تحریک کام کر رہی تھی، ہندوؤں کی تنگ نظری اور دین دشمنی کے پیش نظر مسلمانوں کی الگ جماعت کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ مسلم کانفرنس کے نام سے جماعت قائم کی گئی، سفیر اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی، اور مولانا عبد الحامد بدایونی اور تحریک خلافت کے دیگر رہنما مسلم کانفرنس میں شامل ہو گئے، ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دہلی میں مولوی ابو القاسم فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مولانا عبد الحامد بدایونی نے بھی شرکت کی اور مسلم لیگ کے حامی ہو گئے، اس وقت مولانا عبد الحامد بدایونی کی عمر صرف ۲۰ سال تھی، اس موقع پر آپ نے نہایت پر مغز اور پر جوش تقریر کر کے اپنی صلاحیتوں کو منوایا۔

جب دہلی میں مولانا شوکت علی کی رہائش گاہ میں مسلم لیگ کے رہنماؤں کا اجلاس منعقد ہوا جس میں یہ طے ہوا کہ آئندہ تمام انتخابات میں مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہوگی، اس اجلاس میں دیگر کے علاوہ مولانا عبد الحامد

بدایونی بھی شریک ہوئے ۱۵ تا ۱۸/اپریل لکھنو میں قائد اعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے بھرپور حصہ لیا، ۱۹۳۸ء میں قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کو فعال، مؤثر اور مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت بنانے کے لیے ہندوستان کے ہر صوبے سے دو دو افراد کو منتخب کیا گیا جو کہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد عوام تک پہنچا سکے، ان افراد میں یوپی سے مولانا عبدالحامد بدایونی کا نام شامل کیا گیا، مولانا بدایونی اور دیگر رفقاء نے ہندوستان بھر کا دورہ کیا اور عوام، علماء و مشائخ کو مسلم لیگ کا ہمنوا بنادیا۔

۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں منٹو پارک (اقبال پارک) کو آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا جس میں علامہ عبدالحامد بدایونی نے سنی کانفرنس کے مشائخ و علماء کے ہمراہ شرکت کی اور تقریر بھی کی، اگست ۱۹۴۱ء میں لدھیانہ میں پاکستان کانفرنس آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں آپ نے انتہائی پر جوش و دلائل سے بھرپور تقریر کی یہ تقریر بعد میں نظامی پریس بدایوں سے شائع کر کے مسلم لیگ کی شاخوں کو بھجوادی گئی، ۱۹۴۵ء میں قائد اعظم اور امیر حیدر آباد دکن میر عثمان علی خان کے درمیان شدید قسم کے اختلافات ہوگئے تو قائد ملت لیاقت علی خان نے مولانا عبدالحامد بدایونی سے درخواست کی کہ وہ دونوں کی ملاقات کا راستہ ہموار کریں، مولانا نے دونوں سے ملاقات کی اور آپس میں ملاقات کے لیے راضی کر لیا۔

۱۹۴۶ء میں بنارس میں حصول پاکستان کے لیے آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک عظیم الشان اجتماع جس میں مولانا بدایونی نہ صرف شریک ہوئے اسے کامیاب بنانے کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں اور آپ اس کے مرکزی عہدیدار بھی رہے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مولانا بدایونی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، آپ نے یوپی سی پی، بہار، اڑیسہ، بنگال، آسام، بمبئی، کراچی، قلات اور سندھ، پنجاب، بلوچستان کے دور افتادہ علاقوں کا دورہ کیا اور لوگوں کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے پر آمادہ کیا۔

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے موقع پر سرحد میں کانگریس کی پوزیشن بہت مضبوط تھی، پیر امین الحسنات مانکی شریف نے محمد علی جناح سے درخواست کی وہ سرحد میں مسلم لیگ کے حق میں راہ ہموار کرنے کے لیے وفد بھیجیں، جس میں مولانا عبدالحامد بدایونی ضرور شامل ہوں، محمد علی جناح نے نواب بہادر یار جنگ اور مولانا بدایونی کو بھیجا مولانا نے اپنی زور خطابت اور حسن تدبیر سے سرحد کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کے لیے کمربستہ کیا، آپ کی خطابت اور تدبیر

نے کانگریسی اثرات کو ختم کرکے مسلم لیگ کی مقبولیت کو چار چاند کردیا اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دینے کے لیے ۳۵ علماء اہلسنت کے دستخط سے پوسٹر شائع کیا، اسی دوران ہرٹوپی کے مقام پر آپ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا، آپ کی ان ہی خدمات پر محمد علی جناح نے آپ کو فاتح سرحد کے خطاب سے نوازا، اسی طرح سلہٹ اور بنگال میں کانگریس سے وابستہ اور اس کے مبلغ (دار العلوم دیوبند) کے مولوی حسین احمد مدنی کا اثر کم کرنے کے لیے آپ کو بھیجا گیا، آپ نے ان علاقوں میں پہنچ کر کانگریس کے اثر کو نہ صرف ختم کیا بلکہ مسلم لیگ کی مقبولیت اور تحریک پاکستان کو پروان چڑھایا۔ اسی طرح عرب ممالک کے سربراہان و عوام کو نظریہ پاکستان سے روشناس کرنے اور انہیں پاکستان کی حمایت کے لیے تیار کرنے کے لیے سفیر اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی کی طرح آپ کو بھی بھیجا گیا اور آپ نے اس ذمہ داری کو بھی بخیر و خوبی بھایا۔

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کے بعد علماء اہلسنت پاکستان کے بے حد اصرار پر کراچی میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا اور استحکام پاکستان اور اسلام کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہوگئے، آپ ہی کی کوششوں سے عید میلاد النبی ﷺ کا سرکاری نوٹیفکیشن جاری ہوا اور میلاد النبی ﷺ کی عام تعطیل کا اعلان ہوا۔

پہلی کابینہ میں جب ظفر اللہ خاں قادیانی کو وزیر خارجہ بنایا گیا تو مولانا بدایونی نے سخت احتجاج کیا۔ ۱۹۴۸ء میں مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کی قیادت میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے بانی پاکستان سے ملاقات کی اور پاکستان کا دستور کتاب و سنت کی روشنی میں تیار کرنے کے لیے وزارتِ مذہبی امور قائم کرنے کی یادداشت پیش کی۔

کشمیر کی آزادی اور تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، فروری ۱۹۵۳ء تا جنوری ۱۹۵۴ء ایک سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی، ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے موقع پر ملک گیر دورہ کرکے مہاجرین و مجاہدین کی مدد کی۔ مولانا نے منگھو پیر روڈ پر ایک وسیع اراضی پر جامعہ تعلیمات اسلامی کے نام سے ادارہ قائم کیا مگر آپ کی وفات کے بعد اس عمارت کو حکومت نے کالج میں تبدیل کردیا جو کہ اس وقت انتہائی خستہ حال ہے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی ۲۱ر جولائی ۱۹۷۰ء کراچی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ تعلیمات اسلامیہ بنارس چوک منگھو پیر روڈ پر ہے۔ (ملخصًا ماخوذ از "فاتح سرحد" سید رفیق شاہ صاحب بانی رکن "سحر فاؤنڈیشن"، کراچی اور سابق عہدیدار "انجمن طلبہ اسلام")

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ اعلیٰ حضرت) یہ دونوں پاکستان سے باہر گئے۔ خصوصاً مولانا عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے عرب کا دورہ کیا اور بے شمار بیرونی ممالک کا دورہ کیا۔ یہ سارا دورہ کرنے کے بعد لوگوں کو متعارف کرایا کہ پاکستان کیا ہے؟؟ مسلمان پاکستان کو کس لیے بنانا چاہتے ہیں؟؟ [74] اس کے بعد میں اخبار شاہد ہیں کہ جناح صاحب نے شکریہ ادا

---

[74] محمد جلال الدین قادری لکھتے ہیں: حصول پاکستان کی منزل کو آسان اور قریب کرنے کے لیے مسلم لیگ نے ایک وفد ترتیب دیا جس کی غرض وغایت یہ تھی کہ ہندوستان سے باہر کی دنیا کو مسلمانوں کا نظریہ پاکستان واضح کر کے اس کی حمایت حاصل کی جائے، اس وفد میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے ناظم نشر و اشاعت مولانا محمد عبد الحامد قادری بدایونی بطور کنوینر اور مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رکن "آل انڈیا سنی کانفرنس" شامل تھے۔

یہ وفد پہلی مرتبہ حجاز مقدس روانہ ہوا، ملک ابن سعود سے ملاقات کر کے اُسے نظریہ پاکستان کی وضاحت کی اور حجاز مقدس میں حجاج کرام پر ناجائز ٹیکس کی واپسی پر آمادہ کیا، دو ہفتے کے قیام کے بعد ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو یہ وفد وطن واپس پہنچا کامیاب دورہ کی واپسی پر آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔

دوسری مرتبہ یہ وفد آخر جنوری ۱۹۴۷ء کو مصر، فلسطین، شام، عراق اور دیگر ممالک اسلامیہ کے لیے روانہ ہوا، وہاں بھی یہ وفد اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب ہوا، ان ممالک کے شاہان اور عوام نے نظریہ پاکستان کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھا اور مطالبہ پاکستان کی مکمل حمایت کی، اس طرح "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے زعیم شہیر کی شرکت سے پاکستان کے حصول کے مطالبہ کی مسلم لیگ کو پذیرائی ہوئی۔

(ہفت روزہ دبدبہ سکندریہ، رامپور، مجریہ، ۱۰ر جنوری ۱۹۴۷ء، ص ۴)

مولانا عبدالحامد بدایونی نے حجاز مقدس سے واپسی پر یہ بیان اشاعت کے لیے جاری فرمایا: آل انڈیا مسلم لیگ کا وفد حجاز میں دو ہفتے مقیم رہا، حکومت سعودیہ کے ساتھ بہت اچھا طرز عمل رہا، تسہیل حجاج کے لیے وفد نے جس قدر بھی تجاویز پیش کیں اکثر کو قبول کیا، نفس ٹیکس کی حُرمت کو جلالۃ الملک نے تسلیم کر لیا مگر فرمایا کہ اس کی معافی غور طلب ہے، انشاء اللہ اس کا بھی آخری فیصلہ جلد ہو جائے گا۔ ملک الحجاز نے تحریک پاکستان سے اپنی ہمدردی ظاہر کرتے

کیا اور انکو تحریک پاکستان کی خدمات میں "سفیر اسلام" کا لقب دیا [75] اور کہا کہ مولانا عبد العلیم صاحب آپ کو جو ذمہ داری دی گئی آپ نے اس کو کماحقہ انجام دیا، اس کا حق ادا کیا۔ میں پوچھتا

ہوئے مسلمان ہند کو پیغام دیا کہ وہ خدا پر بھروسہ کریں، مشرکین ہند پر قطعاً اعتماد نہ کریں، اپنی جدوجہد جاری رکھیں، صبر سے کام لیں، خدا ان کی ضرور مدد کرے گا، وفد نے عالم اسلامی کے ہر ملک کے زعماء کو مسئلہ پاکستان پوری طرح سمجھایا۔

اور مسلمانان ہند کے سیاسی موقف سے بخوبی واقف کیا، عالم اسلامی کے زعماء، علماء نے مسلمانان ہندوستان کی تائید کا وعدہ کیا اور وفد کو عالم اسلامی میں آنے کی دعوت دی اور اس بات پر زور دیا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں مسلم لیگ کے وفود آنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے عوام بھی پاکستان کو بخوبی سمجھ سکیں، عالم اسلام کے ان مشاہیر نے اس کا بھی وعدہ کیا کہ وہ واپس جاکر اسلامیانِ ہند کے مسائل ذہن نشین کرائیں گے اور مسلم لیگ سے اپنا رابطہ اتحاد قائم کریں گے۔ مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی آف میرٹھ مدینہ طیبہ میں ٹھہر گئے اور واپسی پر وہ مصر وغیرہ جائیں گے، میرا عزم بھی ہے کہ آخری جنوری (۱۹۴۷ء) تک ممالک اسلامیہ کے دورہ پر روانہ ہو جاؤں۔ (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، ص ۲۹۴-۲۹۵، بحوالہ ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ ۱۰/ جنوری ۱۹۴۷ء، ص ۴)

75 سفیر اسلام: سفیر اسلام علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ (یوپی) کے معروف صدیقی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، پانچ سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد اردو، فارسی، عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کی، چودہ سال کی عمر تک والد بزرگوار کا سایہ عاطفت رہا، سولہ سال کی عمر میں دینی علوم سے فراغت حاصل کر لی، جدید تعلیم کے لیے میرٹھ کالج میں پڑھتے رہے، اسی دوران اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تعلق پیدا کر لیا، آپ کو اپنے بھائی مولانا شاہ احمد مختار صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت و اجازت حاصل تھی، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو خلافت و اجازت سے نوازا اور "علیم الرضا" کے لقب سے مشرف فرمایا۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۴ء تک یورپ، افریقہ اور امریکہ کے متعدّد ممالک اور ریاستوں میں جاکر اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، آپ نے اپنی زندگی میں مختلف ملکوں میں پینتالیس ہزار افراد کو مشرف بہ اسلام کیا، ملک ملک گھوم پھر کر مدینہ منورہ پہنچ جاتے، یہاں تک کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے، بیمار ہوئے فرمایا: میری چارپائی باب السّلام مسجد نبوی پر لے

جائی جائے، جب چارپائی "باب السلام" پر لائی گئی تو آپ نظر اٹھا اٹھا کر روضۂ رسول کی طرف دیکھتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی اثنا میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، آپ کی خوش بختی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں جگہ ملی، پاکستان کے معروف سیاستدان مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ (جن کا اب وصال ہو چکا ہے)

تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، مبلغ اسلام علامہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً دس سال محکوم ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے مطالبہ کی پر زور حمایت کی اور اس ضمن میں اپنے شب و روز ایک کر دیے، ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد آپ نے قیام پاکستان کی تحریک میں نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور مختلف بلاد و امصار کے دورے کر کے علمائے اہلسنت، مشائخ عظام اور عوام الناس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں تاکہ ان کے حقوق کی بازیابی کے لیے مؤثر انداز میں آئینی جنگ لڑی جا سکے۔

۱۹۴۵ء کے اواخر میں انتخابات کے موقع پر جہاں دیگر علمائے اہلسنت، مسلم لیگ کے انتخابات میں کامیابی کے لیے کوشاں تھے، وہاں مولانا عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس محاذ پر ڈٹے ہوئے تھے، آپ نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں بغرض حج عازم حجاز ہوئے، مسلمانانِ ہند کے نام پر ایک موثر پیغام دیا جس کے آخر میں آپ نے کہا کہ تمام برادرانِ ملت کو علی العموم وقت سفر حجاز مقدس میں یہ آخری وصیت دیتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ جس طرح ممکن ہو انتخابات جدید میں تمام اختلافات باہمی کو مٹا کر آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں ہمہ تن سرگرم ہو جائیں اور آبنائے تزویر میں آکر شیرازے کو ہرگز منتشر نہ ہونے دیں، اور، اور یہ ثابت کر دکھائیں کہ مسلمان متحد و متفق ہیں، تاکہ جہاں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی آزاد حکومت ہو جس میں نفاذ قوانین واحیائے تہذیب و معاشرت دین کی پوری قوت ان کو ہی حاصل ہو، اس کو خواہ پاکستان کا نام دیا جائے یا حکومت الٰہیہ کے لقب سے ملقب کیا جائے۔

مبلغ اسلام شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کے دوران ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے خلاف سخت احتجاج کیا، بمبئی اور مدراس میں تقریریں کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی

ہوں یہ کون لوگ تھے ؟؟ یہ سب سنی تھے۔ 1946ء میں پاکستان بننے سے ایک سال پہلے بنارس میں "سنی کانفرنس" ہوئی، پانچ ہزار علماء کرام و مشائخ عظام وہاں موجود تھے بعض کے بقول پانچ سو مشائخ اور سات ہزار علماء وہاں موجود تھے۔[76] صف اوّل میں کون تھا؟ ایک بھی

تحریک پاکستان کے خلاف جب کانگریسی لیڈر حشرات الارض کی طرح بیرونی ممالک میں پھیل گئے تو آپ نے انگلینڈ اور مصر میں ان کانگریسی گماشتوں کو اپنی مدلل تقریر سے ناکوں چنے چبوائے۔

۱۹۴۶ء میں معروف "آل انڈیا سنی کانفرنس" بنارس میں شرکت فرما کر تحریک پاکستان کی ببانگ دہل حمایت فرمائی، ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ پیغام پہنچایا، علاوہ ازیں حج کے موقع پر مسلم لیگ کی طرف سے متعدد عرب ممالک فلسطین، شام، لبنان، اردن اور عراق وغیرہ کے دورہ پر تشریف لے گئے، ہندوؤں کے شدید غلط پروپیگنڈے کی بنا پر عالم اسلام کے مسلمان ہندی مسلمانوں کے خلاف تھے، دنیا میں ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کو "دیوانے کا خواب" سمجھا جاتا تھا، آل انڈیا مسلم لیگ کو ہندوستان ہی میں اتنا کام تھا کہ وہ باہر توجہ ہی نہ دے سکتی تھی، اس لیے آپ مذکورہ حکام سے ملے، دانشوروں اور وکلاء کے سامنے تقریریں کیں اور نظریہ پاکستان کی وضاحت کی جس کے نتیجے میں عرب علماء و عوام تحریک پاکستان کو صحیح طور پر سمجھنے لگے۔

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کو اسلامی ممالک کی نمائندگی کا فریضہ سونپا گیا، آپ نے تن تنہا بین الاقوامی سطح پر تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے اغراض و مقاصد پر طویل لیکچر دے کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی انہی اسلامی اور ملی خدمات کی پیش نظر آپ کو "سفیر اسلام" کا خطاب دیا۔

(ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۹۔۷۱)

[76] پروفیسر محمد اکرم رضا لکھتے ہیں: پورے برصغیر کے اصحاب علم و حکمت اس کانفرنس میں شرکت کے لیے اُمنڈ پڑے، کانفرنس میں پانچ صد مشائخ اور سات ہزار علماء کرام اور تین لاکھ کے قریب عوام نے شرکت کی، صدر

وہابی، دیوبندی، شیعہ [77] یا قادیانی نہیں تھا۔ حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، امیر ملت حضرت علامہ مولانا پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ

الافاضل نے وزارتی مشن لارڈ کرپس وغیرہ کو بھی دعوت دی کہ وہ بطور گورنمنٹ نمائندہ وفد کو دیکھ لیں، سواد اعظم کے اجتماعی موقف اور مسئلہ پاکستان کی حمایت میں اتنا عظیم الشان اجتماع اس دور میں ایک تاریخی مثال تھا۔

(ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، مجریہ اگست ۱۹۹۰ء تحریک پاکستان اور مشائخ، ص ۷۴)

77 انگریز کی ہندوستان آمد سے لے کر قیام پاکستان تک کی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان لوگوں کا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کوئی کردار تحریک آزادی کی حمایت کے حوالے سے نظر نہیں آتا اس حقیقت کو عبد الحکیم خان اختر شاہجہانپوری نے یوں بیان کیا کہ متحدہ ہندوستان کی سرزمین میں بسنے والے مسلمانوں کا مذہب اہلسنت و جماعت تھا، جن کو آج کل بریلوی مکتب فکر کے نام سے موسوم کیا جانے لگا ہے اور جملہ جماعتیں جو آج کل نظر آرہی ہیں وہ انگریزی دورِ حکومت میں اسی جماعت سے، برٹش گورنمنٹ کے تخریبی منصوبے کے تحت جدا ہو کر بنی تھیں ما سوائے شیعہ حضرات کے جو سرزمین پاک و ہند میں مغلوں کے دور سے موجود تو تھے لیکن انتہائی اقلیت میں یعنی آٹے میں نمک کے برابر، ان حضرات نے اپنے لیے یہی بہتر سمجھا کہ برٹش گورنمنٹ کے وفادار اور خیر خواہ بن کر رہیں، اسی لیے انگریزوں کے خلاف انہوں نے بھی کسی تحریک میں حصہ نہیں لیا، شیعہ صاحبان کی اس وفاداری کا ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے یوں اعتراف کیا ہے: "بغاوت کے غیر ضروری ہونے پر ان کا اعلان بغیر کسی دباؤ کے واقع ہوا اور یہ بات نہایت ہی خوب ہے کہ ایسا اعلان باضابطہ طور پر تحریر میں آگیا، اس دستاویز پر مستند اور قابل اعتماد شیعہ علماء کی مہریں ثبت ہیں اور یہ پورا فرقہ اس پر ہمیشہ سے عمل کرنے پر مجبور ہے، اس قسم کے باقاعدہ وعدوں کے بغیر بھی وہ قدر تاً وفادار ہیں"۔

ڈاکٹر ولیم ہنٹر کے بیان کے متعلق سر سید احمد خان صاحب کے اپنے تاثرات یہ ہیں: "اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے شیعہ لوگوں کا کچھ ذکر لکھا ہے اور جو تعریف ان کی کی ہے گو وہ بھی مشروط بہ شرائط ہیں، لیکن میں اس طرح سے بھی خوش ہوں کیونکہ میری دانست میں یہی غنیمت ہے عالم ڈاکٹر نے مسلمانوں کے ایک فرقہ کی تو تعریف کی، چنانچہ میں ان کی اس قدر مہربانی اور رحم کا شکر گزار ہوں"۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۰۹)

قارئین کرام! جن حضرات کو برٹش گورنمنٹ نے سرزمین پاک و ہند سے اپنا آلہ کار بنا کر ان سے تخریب دین کا کام لیا، اُن سے مسلمانوں کی ملی وحدت کا پارہ پارہ کروایا، ایک اسلام کے متعدّد جعلی اسلام بنوائے اور اس طرح یہاں کے مسلمانوں کو ایک پریشان کن مصیبت میں مبتلا کر کے اُن کی طاقت کو منتشر اور دین و ایمان کو تباہ کروایا۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، مؤلفہ عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری، ص ۷۸۰۔۷۸۱)

پھر آگے چل کر تحریک پاکستان کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے خواص میں سے چند افراد ہمیں اس تحریک کا حصہ نظر آتے ہیں جیسے راجہ صاحب محمود آباد اور اس کے ہم مسلک کچھ اور ساتھی، لیکن ساتھ ہی تحریک پاکستان اور بانی پاکستان کے مخالف پاکستان کے مخالفین پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس دور میں خصوصاً "آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس"، مسلم لیگ اور اس کے مقاصد کے خلاف میدانِ عمل میں تھی، حالانکہ راجہ صاحب محمود آباد ان کو مسلم لیگ کی طرف لانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے اور بانی پاکستان نے ۲۵ر جولائی ۱۹۴۴ء کو اس پارٹی کے صدر سید ظہیر علی کے تحریر کردہ خط کا جواب دیتے ہوئے انہیں مسلم لیگ کی حمایت اور اس میں شمولیت کی دعوت دی اور اُن کے اندیشوں کو دور کیا، جیسا کہ کتاب "راجہ صاحب محمود آباد حیات و خدمات" کے ص ۲۷۹ پر ہے، اس کے علاوہ انہوں نے شیعہ کانفرنس کے سیکریٹری کے نام ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک ٹیلی گرام لکھا: "مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ کانفرنس کے رہنماؤں کو ہمارے دشمنوں نے غلط فہمی کا شکار کر دیا ہے اس نازک مرحلے پر میرا ہر شیعہ کو مشورہ ہے کہ وہ بغیر کسی تکلیف کے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لے، اس کے علاوہ ہر اقدام عمومی طور پر مسلمانان ہند کے لیے خطرناک اور بڑی حد تک شیعہ مفادات کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا"۔ (راجہ صاحب محمود آباد حیات و خدمات، ص ۲۷۹۔۲۸۰) اسی طرح اور بھی خط لکھے اسکے باوجود ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات کے موقعہ پر ایک شیعہ امیدوار حسین بھائی لال جی قائد اعظم کے مقابلے میں انتخابات لڑ رہے تھے، مطالبہ پاکستان کی منظوری کا تمام تر دارومدار ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات کے نتائج پر تھا۔ (راجہ صاحب محمود آباد حیات و خدمات، ص ۲۸۰)

اور راجہ صاحب نے بھی جنوری ۱۹۴۶ء کو بمبئی سے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں (شیعہ رہنما) حسین بھائی لال جی اور علی ظہیر (صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس) کی مذمت کی اور کہا "گزشتہ دسمبر میں منعقد ہونے والی شیعہ کانفرنس کی کاروائی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے، ان کے رہنماؤں کی تقاریر سے بھی اس امر کی

سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ ابولبرکات صاحب رحمۃ اللہ علیہ[78]، حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ[79]، حضرت علامہ پیر خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ[80]، حضرت علامہ عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ۔ کیاان میں کوئی وہابی آپ کو نظر آتا ہے ؟

توثیق ہو جاتی ہے کہ نئی صورتحال میں ان دونوں رہنماؤں کے نظریات ہندوازم سے زیادہ مختلف نہیں ہیں"۔ شیعہ کانفرنس کی کمیٹی آف ایکشن کانگریس کی جانب سے اپنے پوشیدہ رحجان کاانکشاف کر چکی ہے اور یہ بات طے ہو گئی ہے کہ شیعہ کانفرنس شیعوں کو مسلم لیگ سے بدل کر کے کانگریس کی طرف کھینچنے کی ایک اور کوشش ہے۔

(راجہ صاحب محمود آباد، حیات وخدمات، ص ۲۸۴۔ ۲۸۳)

78 علامہ ابوالبرکات : استاد العلماء علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش الور میں ہوئی، آپ امام المحدثین سید دیدار علی شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہ کے نامور فرزند ار جمند اور سادات الور کی علمی اور دینی وراثت کے امین ہیں، بچپن میں ہی اپنے والد مکرم کے دار العلوم قوت السلام کے فاضل اساتذہ سے مستفیض ہوئے، پھر صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں داخل ہو گئے، دورہ حدیث کے لیے اپنے والد مکرم کے مدرسہ آگرہ میں داخل ہوئے اور سند تکمیل حاصل کی۔ ۱۳۳۷ھ میں امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور اجازت مطلقہ کی سند حاصل کی، امام المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی سے بیعت کا شرف حاصل کیا، بعد میں والد گرامی کے ہمراہ لاہور آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، والد مکرم کے وصال کے بعد" دار العلوم حزب الاحناف" کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، آپ کے مشاہیر تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے، تقریبًا تمام ہی دنیائے علم وادب کے آفتاب وماہتاب ہیں، مرقد انور "دار العلوم حزب الاحناف" لاہور میں مرجع خلائق ہے تحریک پاکستان میں آپ کی گراں قدر خدمات تاریخ کا ایک حصہ ہیں، جن کا اپنے اور پرائے سب ہی اعتراف کرتے ہیں، تحریک پاکستان کی حمایت و نصرت کا مرحلہ آیا تو آپ نے دو قومی نظریہ اور قراردادِ پاکستان کی حمایت کی اور مطالبہ پاکستان کی تائید کے لیے سرگرمی سے حصہ لیا، کانگریسی علماء کی تردید اور نظریہ پاکستان کی تائید کے لیے اپنے دار العلوم کے سالانہ جلسوں کو وقف کر دیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس میں سرگرمی سے حصہ لیا اور پاکستان کی

حمایت میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے تاریخی فتویٰ پر دستخط ثبت فرمائے، مطالبہ پاکستان ہی کے سلسلہ میں اسلامی حکومت کا خاکہ مرتب کرنے کے لیے جن اکابر علماء کو نامزد کیا گیا ان میں بھی ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نام موجود ہے۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰ص ۷۶)

[79] علامہ ابوالحسنات: قائد تحریک ختم نبوت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری سادات الور سے تعلق رکھتے ہیں، آپ امام المحدثین دیدار علی شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہ کے نامور فرزند اور مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی ہیں، صرف گیارہ برس میں حفظ کلام پاک اور اردو انشاء پردازی اور فارسی میں مہارت حاصل کی، پھر تمام علوم و فنون کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ (تاریخ ساز شخصیات، ص ۱۷۹) امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا، شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ میں محو آرام ہیں۔

مختلف تحریکوں مثلاً تحریک آزادی کشمیر تحریک ختم نبوت اور تحریک پاکستان میں آپ کی گراں قدر خدمات اظہر من الشمس ہیں تحریک پاکستان میں علامہ ابوالحسنات احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا کردار بھی نہایت روشن ہے، تحریک پاکستان کو بام عروج پر پہنچانے کے لیے آپ نے مسلم لیگ کے پروگرام کو عوام تک پہنچانے میں شب و روز ایک کر دیئے۔

۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ اس جلسہ کے سرگرم کارکنوں سے تھے، ۱۹۴۵ء میں حج مبارک کے لیے تشریف لے گئے تو علماء کے عظیم اجتماع میں تحریک پاکستان پر روشنی ڈالی اور علماء کو اپنا ہمنوا بنایا، بعد میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کر کے نظریۂ پاکستان کی حمایت میں قلمی محاذ سنبھالا۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقدہ بنارس میں سرگرمی سے حصہ لیا، ۴۷۔۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ نے ایجی ٹیشن شروع کیا تو آپ نے علماء و مشائخ کے وفود لے کر ہر ضلع کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا، پاکستان بننے کے بعد جمعیت علمائے ہند کے مقابلہ میں جب جمعیت علمائے پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو صدر منتخب کر لیا گیا۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۷۴۔۷۵)

80 خواجہ قمر الدین سیالوی: آپ کی خدمات جلیلہ وسیع داخلی محاذ کے علاوہ اور بھی کئی محاذوں پر جاری وساری تھیں، آپ ایک شجاع باعمل عالم و مذہبی مبلغ و مجاہد تھے، عیسائی مشنریوں کو دندان شکن جوابات دلائل و براہین سے دیتے تھے، بڑے بڑے مشینری اپنی طلاقت لسانی بھول جاتے تھے، آپ کی مجاہدانہ پے در پے ضربات سے سامریوں کے طلسم پاش پاش ہو جاتے تھے، مرزائیت کا فتنہ ہو یا رفض و جدیت کے فتنے، عامۃ المسلمین کی جمعیت خاطر کو پراگندہ کرنے کے لیے جہاں کبھی سر اٹھاتے تھے حضرت ان کی سرکوبی سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

علاوہ ازیں تحریک آزادی پاکستان کا ایک اور بھی محاذ تھا، انگریزی کی غلامی کی بھاری زنجیروں کو توڑنے کے لیے یہ تحریک پورے ہندوستان میں زور و شور سے جاری تھی، اپنے اسلاف کے نقش پاک کی پیروی میں آپ نے بھی انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند رکھا۔ اسلام دشمن اور مسلم دشمن قوتوں کے خلاف جب جہاد شروع ہوا تو لوگ شریک تھے، ان میں حضرت علامہ محمد قمر الدین سیالوی کا نام نامی بھی آتا ہے، اس جہاد میں مالی نقصان اور جسمانی اذیتوں کے علاوہ باہم خاندانی تعلقات کی بھی قربانی دی۔ پنجاب کے نواب، زمیندار اور جاگیردار یونینسٹ پارٹی کے طرف دار تھے اور انگریز کے وفادار، ان لوگوں نے بڑی کوششیں کیں کہ آستانہ عالیہ سیال شریف کے سجادہ نشین اس میں غیر جانبدار رہیں، ان لوگوں نے اپنی مستورات کو بھیجا کہ منت سماجت کریں مگر مرد درویش نے فرمایا اور دو ٹوک فرمایا کہ "پاکستان کی جنگ اسلام کی بقاء اور عظمت کی جنگ ہے، میں اس جنگ سے کنارہ کش نہیں رہ سکتا، بلکہ اپنی ہر چیز اس راہ میں قربان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں پاکستان کے جھنڈے کو ہاتھ سے رکھ دوں یہ ناممکن ہے، میں آپ لوگوں کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن نبی کریم ﷺ کے دین کے جھنڈے کو سرنگوں ہوتا نہیں دیکھ سکتا"۔

پاکستان کے سول نافرمانی کی تحریک چلی تو اس میں بھی آپ نے جان ڈالنے کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیا اور احساس سود و زیاں سے ماوراء ہو کر میدان عمل میں مردانہ وار ڈٹ گئے، ملک بھر میں موجود آستانہ عالیہ سے وابستہ گدیاں سب کو حکم دیا کہ وہ اس جہاد میں شریک ہوں۔ صوبہ سرحد کا ریفرنڈم بھی ایک اہم معرکہ تھا جس میں اس مرد درویش نے مجاہدانہ کردار ادا کیا اور ساتھ ساتھ تونسہ شریف کے گدی نشین، پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف کی کاوشیں پیش پیش تھیں، آپ کی عظیم اور بے لوث خدمت سے متاثر ہو کر قائد اعظم نے آپ کو ایک خط لکھا جس

صدر الافاضل بدر الاماثل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ[81]،

میں آپ کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کا شکریہ ادا کیا، الغرض ان مختصر سطور میں آپ کی خدمات کے خدوخال کو نمایاں کرنے کا حق ادا نہیں ہوتا۔

(ملخصًا از ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۸۶-۸۸)

[81] صدر الافاضل: صدر الافاضل علامہ حافظ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے پیدائش مراد آباد (انڈیا) اور تاریخ پیدائش ماہ صفر ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء ہے، اور تاریخی نام غلام مصطفیٰ ہے، حفظ قرآن کریم اور ابتدائی کتب کی تعلیم کے بعد مولانا شاہ فضل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا، مولانا سید گل محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل اور سند فضیلت حاصل کی، سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے استاذ مکرم مولانا سید گل محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، پھر شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت و اجازت حاصل کی اور آپ ہی کی اجازت سے امام اہلسنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سلسلہ رضویہ میں خلافت و اجازت پائی اور آپکے معروف خلفاء میں شمار ہونے لگے، آپ کے والد گرامی سید محمد معین الدین نزہت رحمۃ اللہ علیہ بھی سلسلہ رضویہ سے منسلک تھے، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی نے آپ کو صدر الافاضل کا خطاب دیا اور ذکر احباب میں فرمایا:

میرے نعیم الدین کو نعمت اس سے بلا میں سماتے ہیں

صدر الافاضل احقاق حق اور ابطال باطل میں نہایت جری ثابت ہوئے یہی وجہ ہے کہ حضرت نے آپ کو کئی مواقع پر اپنا وکیل مقرر فرمایا، آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری، آپ کے تلانذہ پاک و ہند میں بہت سی جامعات کے بانی، کتابوں کے مصنف اور کئی رسالوں کے مدیر ہیں۔

تحریکِ پاکستان میں حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے اکیسویں اجلاس میں سیاسی پلیٹ فارم سے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی، پھر یہی تجویز ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر انگلستان میں حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کی گئی۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ طبقہ علماء میں غالبًا پہلے عالم ہیں۔ جنہوں نے ۱۹۳۰ء میں "السواد الاعظم" میں اس تجویز کی پر زور تائید کی۔ آپ ہی نے ۱۹۲۵ء میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کی بنیاد رکھی۔

۱۹۴۶ء کی معروف سنی کانفرنس بنارس کے آپ روح رواں تھے، اس موقع پر آپ نے یہ اعلان کیا تھا: "اگر آل انڈیا مسلم لیگ پاکستان کے مطالبے سے دستبردار بھی ہوجائے تو آل انڈیا سنی کانفرنس اس مطالبے سے دست کش نہیں ہوگی۔

تحریک پاکستان کا آغاز ہوتے ہی حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے نظریہ پاکستان سے روشناس کرانے کے لیے "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے پلیٹ فارم سے غیر منقسم برصغیر کے ہر شہر و قریہ میں علماء اہلسنت کی جماعت کے ساتھ دورے شروع کردیے۔ صوبہ جات مدراس و گجرات، کاٹھیاوار، جوناگڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی، پنجاب، بہار، غیر منقسم بنگال میں کلکتہ، ہنگی، چوبیس پرگنہ اور ڈھاکہ، لرنافلی، چاٹگام، سلہٹ، پٹرہ وغیرہ میں بغیر سکون وقفہ کے دورے شروع فرمائے غرضیکہ نظریہ پاکستان کی پرزور حمایت اور "آل انڈیا سنی کانفرنس" کی تنظیم و احیاء کے سلسلہ میں آپ نے دن رات ایک کردیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سید محمد محدث کچھو چھوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے بذریعہ طیارہ پاکستان تشریف لائے، یہاں اسلامی دستور کے نفاذ کے لیے قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اور نواب زادہ لیاقت علی خان اور دوسرے مقتدر افراد سے گفتگو فرمائی، انہی دنوں آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی جس کی وجہ سے آپ کو فوراً مراد آباد واپس جانا پڑا اور ان صاحبان سے وعدہ فرمایا کہ دستور اسلامی مرتب کرکے بھیج دوں گا، ہندوستان پہنچنے کے بعد کچھ طبیعت سنبھلی تو آپ نے پاکستان کے دستور اسلامی کی تدوین و ترتیب شروع کی، دستور کی تیاری کے لیے مختلف اسلامی ممالک کے دساتیر و قوانین کے مسوّدے جمع کیے، اسلامی دستور کے خاکہ کے لیے چند ہی (گیارہ) دفعات لکھی تھیں کہ آپ کی صحت دوبارہ خراب ہوگئی اور رات ساڑھے بارہ بجے ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۹۴۸ء کو آپ اس جہان فانی سے عالم بقاء کی طرف تشریف لے گئے۔ ملخصًا (از ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰ و از تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل مرتبہ مولانا نور محمد نعیم القادری و مولانا محمد رضوان القادری نعیمی)

حجۃ الاسلام علامہ مولانا حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ[82]، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ[83]، صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ[84]، یہ سارے صفِ اوّل کے علماء

---

82 حجۃ الاسلام: حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خان قادری برکاتی نوری رحمۃ اللہ علیہ خلف اکبر وخلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بریلی شریف میں پیدا ہوئے، آپ کا اسم گرامی "محمد" عرف "حامد رضا" اور القاب "حجۃ الاسلام" اور "امام الاولیاء" ہیں۔ درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی اور فارغ التحصیل ہوئے، علوم مروجہ اور حدیث و تفسیر میں سند فضیلت حاصل کی۔ ایک بلند پایہ خطیب، شعلہ بیان مقرر اور معروف مدرس علوم دینیہ کی حیثیت سے شہرت پائی، تفسیر وحدیث کی تدریس میں خصوصیت سے مشہور تھے۔ ستر سال کی عمر میں نماز پڑھتے ہوئے واصل باللہ ہوئے۔

تحریک پاکستان کو تقویت پہنچانے میں آپ کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، ۴ر شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ/مارچ ۱۹۲۵ء میں مسلمانوں کی مذہبی، علمی اور سیاسی ترقی کے لیے مقتدر علماء نے "آل انڈیا سنی کانفرنس" کی بنیاد رکھی، کانفرنس کے بانی اراکین میں حجۃ الاسلام کا اسم گرامی سر فہرست ہے، کانفرنس کے پہلے تاسیسی اجلاس منعقدہ ۲۰ تا ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ/ ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء مراد آباد میں بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، معاشرتی عمرانی غرض ہمہ وجوہ ترقی کے واضح اور مکمل لائحہ عمل پر مبنی ہے، وقت گزرنے کے باوجود آج بھی وہ خطبہ واضح نشان راہ ہے، اسی خطبہ میں آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی بجائے مسلمانوں کے آپس میں اتحاد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا: "بے شک دو گھوڑوں کو ایک گاڑی میں جوت کر زیادہ وزن کھینچا جاسکتا ہے لیکن بکری اور بھیڑیے کو ایک ساتھ جمع کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا"۔ (ماہنامہ ضیاء حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۰)

83 مفتی اعظم ہند: مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان نوری رحمۃ اللہ علیہ خلف اصغر وخلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد ماجد امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مارہرہ شریف میں تھے، وہیں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ لڑکا پیدا ہوا اور خواب میں ہی " آل الرحمٰن " نام رکھا حضرت مخدوم شاہ ابو الحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو البرکات محی الدین جیلانی نام تجویز فرمایا "محمد" کے نام پر عقیقہ ہوا اور عرف " مصطفیٰ

رضا'' قرار پایا، آپ نے مولانا شاہ رحم الٰہی منگوری رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلیم حاصل کی، ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے دارالافتاء میں ان کے رفیق کار رہے۔

آپ نے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے ہر اجلاس میں باقاعدگی سے شرکت فرمائی، ۱۹۴۶ء میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' بنارس میں مشائخ و علماء کی جو کمیٹی دستور مرتب کرنے کے لیے منتخب کی گئی آپ کو اس میں سر فہرست رکھا گیا، نیز مرکزی دارالافتاء کے سرپرست بھی تجویز کیے گئے۔

تحریک پاکستان کی حمایت میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے مشاہیر علماء و مشائخ کا متفقہ فیصلہ اخبار ''دبدبہ سکندری'' رامپور میں شائع ہوا، جس میں مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے اس تاریخی فیصلہ کا متن ملاحظہ کیجئے: ''آل انڈیا سنی کانفرنس مسلم لیگ کے اس طریقہ عمل کی تائید کر سکتی ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو، جیسے کہ الیکشن کے معاملے میں کانگریس کو ناکام کرنے کی کوشش اس میں مسلم لیگ جس سنی مسلمان کو بھی اُٹھائے سنی کانفرنس کے اراکین و ممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں ووٹ دے سکتے ہیں دوسروں کو اس کے ووٹ دینے کی ترغیب دے سکتے ہیں مسئلہ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصے میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصول پر حکومت قائم کرنا سنی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے۔

مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے وائسرائے ہند کے نام ایک ٹیلی گرام میں بھی اس بات پر زور دیا کہ صرف مسلم لیگ ہی ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے، مسلم لیگ کے موقف کی حمایت میں مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی تار کی خبر اور دیگر علمائے بریلی کا بیان ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرتسر میں بھی منظر عام پر آیا۔

۱۹۴۶ء کے فیصلہ کن الیکشن میں مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بریلی میں مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں سب سے پہلا ووٹ ڈالا، لیگی رضا کار انہیں جلوس کی شکل میں مفتی اعظم پاکستان کے نعرے لگاتے ہوئے واپس آستانہ رضویہ تک لائے، اس تاریخی واقعہ کو مولانا تقدس علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ کے نام ایک خط میں یوں فرمایا ہے: ''حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز غالباً ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کا سخت مقابلہ تھا اور یہ فیصلہ ہونا تھا کہ پاکستان بنے یا نہیں؟ اس میں اول ووٹ حضرت کا ہوا، امیدوار عزیز احمد خان ایڈووکیٹ تھے، عزیز احمد خان مسلم لیگ کی طرف سے تھے اور ووٹ ڈالنے کے

بعد حضرت کو جلوس کی شکل میں مسلم لیگ کے رضا کار مفتی اعظم پاکستان کے نعروں کے ساتھ آستانہ شریف پر واپس لائے۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰ص ۶۷-۶۸)

84 صدر الشریعہ: حکیم ابو العلاء صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اعظم گڑھ یوپی کے ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی کتب اپنے جد امجد اور بھائی مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، بعد ازاں مدرسہ حنفیہ جونپور میں مولانا ہدایت اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا، پھر امام المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کے بعد بارگاہِ رضوی سے منسلک ہو گئے اور خلافت سلسلہ رضویہ قادریہ و اجازت حدیث سے نوازے گئے۔ دار العلوم "منظر اسلام" بریلی میں برسوں حدیث اور دوسرے فنون کی تعلیم دی، بارہ سال اجمیر مقدس میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے۔

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ دو قومی نظریہ کے عظیم مبلغ اور راہنما تھے، مارچ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو بریلی میں جمعیت علمائے ہند کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں ابو الکلام آزاد، کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے، جمعیت کے لیڈر اس جوش و خروش سے آئے تھے کہ گویا "ہندو مسلم اتحاد" کے مخالف علماء اہلسنت کو لاجواب کر دیں گے، مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے شعبہ علمیہ کے صدر کی حیثیت سے اراکین جمعیت کے ہندوؤں سے اتحاد کے بارے میں ستر سوالات (اتمام حجت نامہ) مرتب کر کے قائدین جمعیت کو بھجوایا، بار بار اصرار اور مطالبہ کے باوجود انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پچیسویں عرس مبارک منعقدہ ۲۳۔۲۵ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ/ ۲۸۔۳۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو بریلی شریف میں تحریک پاکستان کی راہ ہموار کرتے ہوئے صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ہماری تمام سنی کانفرنسیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں ہر ہر صوبہ میں قائم ہیں، کانگریس کے مقابلہ میں پوری جدو جہد کر رہی ہیں، چنانچہ پچھلے الیکشن میں ان کانفرنسوں کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور کانگریس کو شکست ہوئی، سنی کانفرنس کی کوششیں بہت مفید ثابت ہوئیں، اس وقت ہم پھر یہی اعلان کرتے ہیں کہ مسلمان کانگریس کو اور کانگریس کے کھڑے ہوئے امیدوار کو (ہرگز ووٹ نہ دیں) کانگریس کی حامی جماعتوں جمعیت علماء دیو بندی پارٹی مولوی حسین

تھے۔ انہوں نے پاکستان بنایا علامہ عبدالسلام جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ[85] کتنے نام گنے جائیں مفتی ظفر علی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، پیر صاحب بھرچونڈوی رحمۃ اللہ علیہ[86]، مفتی اعظم سرحد مفتی شائستہ گل رحمۃ اللہ علیہ [87]

احمد کے زیر اثر طوفان برپا کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ احرار و خاکسار یونینسٹ وغیرہ جن سے کانگریس کو مدد پہنچ رہی ہے یا جو کانگریس کی ہوا خواہی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، مسلمان ہرگز ان کی فریب کاری میں نہ آئیں۔
اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس کے مقام پر منعقد عظیم الشان سنی کانفرنس کو قیام پاکستان کی بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، اس میں اسلامی حکومت کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے جلیل القدر علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ممتاز اراکین میں اراکین میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۱۔ ۶۲)

85 مفتی برہان الحق جبل پوری: مفتی اسلام مفتی برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت جبل پور (مدھیا پردیش، بھارت) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم عم محترم قاری بشیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اور والد ماجد مولانا عبدالسلام جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی پھر بریلی شریف حاضر ہوئے اور دار الافتاء میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے ارشادات قلم بند کرتے رہے، کم و بیش تین سال بریلی شریف میں کسب فیض کیا، امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہ صرف آپ کے بلکہ آپ کے جد امجد مولانا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ اور والد ماجد مولانا عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بھی گہرے مراسم اور تعلقات تھے، والد ماجد کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔
مفتی محمد برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اعلیٰ حضرت کے دیگر خلفاء کے ساتھ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ "آل انڈیا سنی کانفرنس" میں بڑھ چڑھ کر کاوشیں کیں، جبل پور میں اس کی شاخ قائم کی اور بنارس کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ آپ تحریک پاکستان کو کامیاب کرنے کے لیے مسلم لیگ جبل پور کے صدر مقرر ہوئے، یکم تا ۳ جنوری ۱۹۴۰ء جبل پور (سی پی) کے تاریخی اجلاس میں صدر مسلم لیگ نے جو خطبہ صدارت پیش فرمایا اس کا ایک ایک لفظ علمائے اہلسنت کی سیاسی بصیرت، مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اس دور میں عوام اہلسنت کی

جذباتی کیفیات کا آئینہ دار ہے، اسی خطبہ صدارت میں آپ نے فرمایا: "اس کانفرنس کے انعقاد سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی آواز ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچا کر دنیا کو اپنی مظلومانہ حالت بتائیں اور اپنے اضلاع صوبہ سی پی کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے منظم اور متحد ہونے کی دعوت دیں"۔

۱۹۴۰ء میں قرار دار پاکستان کی منظوری کی بعد آپ نے ملک کے طول و عرض میں دورے کیے، سرحد، پنجاب، سندھ میں تحریک پاکستان کی حمایت میں زور دار تقریریں کیں پاکستان کی آزادی کے لیے آپ کی کوششوں کو قائداعظم محمد علی جناح نے سراہا اور شکریہ کا خط بھی لکھا اس ضمن میں آپ خود فرماتے ہیں: فقیر نے تعمیر پاکستان میں جو نمایاں حصہ لیا اور مسٹر جناح کے مشن کو تقویت دینے کے لیے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کا پورا دورہ کیا اور اس سلسلے میں فقیر کی جو تقریریں ہیں وہ ایک علیحدہ موضوع ہے، جو بعونہٖ تعالیٰ قلم بند ہے مگر فقیر اپنی شہرت کا کبھی طالب ہوا نہ اس کی ضرورت سمجھی۔ مسٹر جناح کے ایک شکریہ کا خط بھی محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ میری کوششوں کو قبول فرمائے اور پاکستان کو ہر قسم کے شر و فساد اور پریشانی سے محفوظ رکھے، آمین۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۶۔۶۷)

86 حضرت پیر عبدالرحمٰن اور پیر عبدالرحیم شہید دونوں نے تحریک پاکستان کی کامیابی اور قیام پاکستان کے لیے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

87 مفتی اعظم سرحد: مولانا شائستہ گل بن مولانا محمد علی (۱۸۳۷ء/۱۹۲۵ء) بن ملک العلماء مولانا عمر دراز کی ولادت ۱۸۹۱ء میں موضع لنڈی شاہ متہ ضلع مردان (سرحد) کے "یوسف زئی منڈر افغان قبیلہ" میں ہوئی، والد گرامی کے علاوہ مختلف نامور علماء سے علمی استفادہ کیا، سند حدیث مولانا عبدالعلی دہلوی سے حاصل کی، نیز جون پور (بھارت) کے دارالعلوم حنفیہ سے بھی دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی، قرأت مولانا مولوی قاری عبدالسلام بن عبدالرحمٰن پانی پتی سے پڑھی، تیس سال کی عمر میں تمام علوم مروجہ معقول و منقول میں کمال حاصل کر لیا، فراغت علم کے بعد درس و تدریس اور افتاء کو مقصد حیات بنالیا، اپنے گاؤں میں "دارالعلوم حنفیہ سنیہ" کے نام سے مدرسہ قائم کیا جس میں درس نظامی کا مکمل اہتمام تھا۔

آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ زاہدیہ میں حضرت پیر عبدالوہاب آف مانکی شریف (۱۷۹۷ء۔۱۹۰۴ء) کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی، مذہبی مصروفیات و خدمات کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی بھرپور دلچسپی لی اور تحریک خدائی خدمتگار میں شامل ہوکر خان عبدالغفار خان کے دوش بدوش آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا، مگر جب خان موصوف نے اپنی تنظیم کو انڈین نیشنل کانگریس میں مدغم کردیا تو آپ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کرلی اور مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف محمد امین الحسنات نے آپ کے مشورے سے مانکی شریف میں علماء و مشائخ کی کانفرنس طلب کی جس میں سینکڑوں علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی، اس عظیم الشان اجتماع میں "جمعیت الاصفیاء" کی تشکیل عمل میں لائی گئی جس کا ناظم مولانا شائستہ گل اور صدر پیر مانکی شریف کو منتخب کیا گیا، اس اجتماع کی صدارت پیر معصوم چوراہی نے کی تھی، اس اجتماع میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا گیا، پھر مسلسل دورے کرکے مولانا شائستہ گل نے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی جڑیں مضبوط کیں حتیٰ کہ پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

قیام پاکستان کے بعد جب صوبہ سرحد میں مسلم لیگی وزارت خان عبدالقیوم خاں نے سنبھالی تو مولانا شائستہ گل نے اپنی تقاریر میں نفاذ شریعت کا مطالبہ شروع کردیا، مسلم لیگ کے جلسہ کوہاٹ میں شریک ہوکر مسلم لیگ کو شریعت کے نفاذ کا وعدہ یاد دلاکر پرزور مطالبہ کیا، حکومت کو آپ کی یہ بات ناگوار گزری اور واپسی پر درۂ کوہاٹ کی چوٹی پر آپ کو پکڑ کر تین دن تک حوالات میں بند کردیا گیا، بعدازاں گیارہ ماہ کے لیے خارج از پاکستان کردیا، آپ وہاں سے سیدھے سوات میں تھانہ کے مقام پر گئے اور وعظ و نصیحت میں مصروف ہوگئے، اب آپ کو مسلم لیگ سے کلّی طور پر مایوسی ہوگئی، اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرکے عائد حقہ کی تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۵ر رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ مطابق ۷ر جولائی ۱۹۸۱ء بروز منگل مردان میں ہوئی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ ملخصًا (تحریک پاکستان اور علمائے کرام، مولفہ محمد صادق قصوری ص ۳۹۷۔۳۹۹)

علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، حضرت پیر آف مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ[88]، شیخ القرآن مولانا عبد الغفور ہزاروی[89]۔

---

[88] پیر آف مانکی شریف: پیر محمد امین الحسنات بن پیر عبد الرؤف (م ۱۹۳۴ء) بن پیر عبد الحق (م ۱۹۲۸ء) بن پیر عبد الوہاب قادری (م ۱۹۰۴ء) کی ولادت یکم فروری ۱۹۲۲ء / ۳ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ بروز بدھ خانقاہ قادریہ مانکی شریف ضلع پشاور میں ہوئی بعمر چھ سال والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور گیارہ بارہ سال بعد شفقت پدری سے بھی محروم ہو گئے، حفظ قرآن پاک کے بعد مختلف علماء کرام سے جملہ علوم متداولہ کی تحصیل کی، دوران تعلیم ہی والد ماجد کی رحلت پر سجادگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑا۔

پیر صاحب مانکی شریف انتہائی فعال، بلند اخلاق، مدبر اور دانشمند انسان تھے، انہوں نے روحانیت اور سیاست کے میدان میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ ہندو اقلیت والے صوبہ سرحد میں اسلام کو ہندو اکثریت والے صوبوں سے زیادہ خطرہ درپیش تھا، آخر بہت سوچ بچار کے بعد پیر صاحب نے ۱۴ / اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مانکی شریف میں علماء و مشائخ کی کانفرنس طلب کی جس میں سینکڑوں جید علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی، اس عظیم الشان اجتماع میں "جمعیت الاصفیاء" کی تشکیل عمل میں لائی گئی، پیر صاحب کو مجبور کر کے اس کا صدر بنایا گیا، آپ نے اعلان کیا کہ انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کی جائے گی، ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایک علیحدہ اسلامی مملکت پاکستان کے قیام کی بھرپور حمایت کرے اور اس کے بنانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

۱۹ / نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم جب پشاور پہنچے تو ایک شاندار اور تاریخی جلوس نکالا گیا، اس میں ایک میٹنگ قائداعظم کی صدارت میں ہوئی جس میں پیر صاحب مانکی شریف اور دوسرے اہم مسلم لیگی لیڈر شریک ہوئے، اس موقعہ پر پیر صاحب نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (م ۱۹۵۱ء) کی زیر صدارت "آل انڈیا سنی کانفرنس" بنارس کا انعقاد ہوا تو پیر صاحب مانکی شریف نے سرحد کے علماء و مشائخ کی کثیر تعداد کے ساتھ اس میں شرکت کی اور اڑھائی گھنٹے تک خطاب فرمایا، دوران تقریر آپ نے فرمایا کہ " میں نے قائداعظم سے وعدہ لیا ہے کہ

اگر انہوں نے مسلمانوں کو دھوکا دیا یا اسلام کے خلاف کوئی نظام جاری کرنے کی کوشش کی تو آج ہم جس طرح آپ کو دعوت دے رہے ہیں اور آپ کی قیادت کو مان رہے ہیں کل اس طرح اس کے برعکس ہو گا"۔

۲۱ / فروری کو دن کے دو بجے چوک یادگار پشاور میں پیر صاحب مانکی شریف کی زیرِ سرپرستی مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس سے خان فدا محمد خان، خان بخت جمال خان اور ارباب عبد الغفور خان نے خطاب کیا، پیر صاحب کے ہزاروں مرید اس جلسے میں شریک تھے۔

تحریک سول نافرمانی میں پیر صاحب مانکی شریف نے پورے صوبے کا طوفانی دورہ کیا، تقریریں اور رائے عامہ کو بیدار کیا، ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو گرفتار کر لیے گئے اور ۳ جون ۱۹۴۷ء کو رہا ہوئے۔ ۱۳ / اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم نے کراچی سے فون پر آپ کو قیامِ پاکستان کی مبارک باد دی اور کہا: "پاکستان" قائم ہو گیا اور یہ سب آپ کی برکت ہے، جواباً پیر صاحب نے بھی مبارک باد دی۔ قیامِ پاکستان کے بعد پیر صاحب مانکی شریف کو وزارت کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے کمال بے نیازی سے فرمایا کہ درویشوں کو وزارت سے کوئی سروکار نہیں۔

۵ / جنوری ۱۹۶۰ء / ۱۳۷۹ھ کو مانکی شریف سے اٹک جاتے ہوئے آپ کی کار فتح جنگ کے قریب حادثے کا شکار ہو گئی، ڈرائیور نے تو موقع پر دم توڑ دیا مگر آپ بری طرح زخمی ہو جانے کی وجہ سے ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں داخل کیے گئے لیکن زخموں کی تاب نہ لا کر ۲۸ / جنوری ۱۹۶۰ء کو یہ روحانی پیشوا اور مجاہد آزادی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ملخصاً (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مؤلفہ محمد صادق قصوری ص ۱۴۳-۱۵۶)

89 شیخ القرآن: شیخ القرآن علامہ مولانا محمد عبد الغفور بن مولانا عبد الحمید بن مولانا محمد عالم کی ولادت باسعادت ۲۰ / ربیع الاول ۱۳۲۸ھ / یکم اپریل ۱۹۱۰ء بروز جمعۃ المبارک ہری پور ضلع ہزارہ کے قریبی گاؤں چنبہ پنڈ میں ہوئی، آپ کا خاندان کئی پشتوں سے علم و ادب کا گہوارہ تھا، ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد مختلف اساتذۂ کرام سے استفادہ کیا، پھر دہلی کے مختلف مدارس میں پڑھنے کے بعد بریلی شریف تشریف لے جا کر اعلیٰ حضرت فاضل مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادہ حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے زانوئے تلمذ طے کیا، فارغ التحصیل ہونے کے بعد بریلی شریف ہی میں مسند درس و تدریس پر فائز ہو گئے، قابلیت و لیاقت کا یہ عالم

تھا کہ مشکل ترین مسائل کو بھی نہایت آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے، اسی بنا پر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو "ابوالحقائق" کا خطاب بخشا۔

حضرت شیخ القرآن نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۱۴ر جولائی ۱۹۳۵ء کو لاہور کی تاریخی جلسہ گاہ موچی دروازہ مجلس اتحاد ملت کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو مرکزی نائب منتخب کیا گیا مجلس اتحاد ملت کے پلیٹ فارم سے آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں، ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے اور قیام پاکستان تک ہر طرح سے اس کی معاونت کرتے رہے، مسلم لیگ میں شمولیت کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ۱۸، ۱۹ر اپریل ۱۹۳۸ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ کلکتہ میں انعقاد پذیر ہوا، ۱۹ر اپریل کے اجلاس میں قائداعظم کی موجودگی میں آپ نے "مجلس اتحاد ملت" کے توڑنے اور مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا اعلان کیا، آپ نے اپنی پر مغز تقریر میں کہا: "آج سے ہم نے اپنی "مجلس اتحاد ملت" کو مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اب ہم مسلم لیگ کے پرچم تلے ملک و قوم کی خدمت سر انجام دیں گے، اس جماعت کے جیش نیلی پوش اب مسلم لیگ کے سپاہی ہوں گے۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اس وقت بر صغیر کے ممتاز مسلم لیگی لیڈر تشریف فرما تھے، اہلسنت کی نمائندگی مولانا عبد الحامد بدایونی اور حضرت شیخ القرآن وغیرہم کر رہے تھے۔ ۱۹۴۱ء میں آپ نے وزیر آباد پاکستان کانفرنس منعقد کرائی، یہ صوبہ پنجاب میں پہلی کانفرنس تھی جس میں نظریہ پاکستان کی وضاحت کی گئی۔

فروری ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات میں حضرت شیخ القرآن نے مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت میں طوفانی دورے کئے، اُن کے اپنے حلقہ پنجاب اسمبلی گوجرانوالہ شمالی میں مسلم لیگ کے امیدوار چوہدری صلاح الدین چٹھہ آف احمد نگر تھے، حضرت شیخ القرآن نے مسلم لیگی امیدوار کی ڈٹ کر حمایت کی اور اسے کامیاب و کامران کرایا۔

جنوری ۱۹۴۷ء میں سر خضر حیات ٹوانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلی اور گورنر پنجاب مسٹر ڈگلس نے مسلم لیگیوں سے خائف ہو کر باغی قرار دیا اور دھڑا دھڑ گرفتاریاں شروع ہو گئیں، ضلع گوجرانوالہ میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں گرفتاری کی سعادت سب سے پہلے حضرت شیخ القرآن ہی کے حصہ میں آئی، اس کے بعد

پیر صاحب زکوڑی شریف[90] حضرت مولانا عبد الستار نیازی[91] رحمۃ اللہ علیہم۔

دوسرے کارکن گرفتار ہوئے، حضرت شیخ القرآن نے اپنے زمانہ اسیری کو ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں بڑی ہمت و پامردی اور خندہ پیشانی سے گزارا۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد آپ نے سیاست کو خیر آباد کہہ دیا اور اپنی تمام تر توجہ اسلام کی خدمت پر مرکوز کر دی ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں کفن بردوش ہوکر دیگر مجاہد علماء کے ساتھ میدان میں آگئے اور اپنے جادو بیانی سے ملک میں مرزائیت کا ناطقہ بند کردیا۔

آپ شروع ہی سے صبح کی سیر کے عادی تھے، چنانچہ کے شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعہ المبارک حسب معمول وزیر آباد کے نواحی نالہ پلکھو سے جی ٹی روڈ پر گزر رہے تھے کہ اچانک ایک ٹرک کی زد میں آگئے، جس سے آپ بری طرح زخمی ہوگئے، فوراً ہسپتال پہنچایا گیا، آپ کے ضبط و تحمل ملاحظہ ہو کہ آخری لمحات میں آنکھیں کھول کر فرمایا: "میں نے مجرم کو معاف کیا" اور پھر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ملخصًا (تحریک پاکستان اور علمائے کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری ص ۳۲۳-۳۳۰)

[90] پیر آف زکوڑی شریف: تحریک پاکستان کے نامور مجاہد قائداعظم کے معتمد رفیق اور ممتاز روحانی پیشوا پیر عبد اللطیف کی ولادت ۱۳/ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ/ ۲ نومبر ۱۹۱۴ء بروز پیر خانقاہ عالیہ زکوڑی شریف، ڈیرہ اسماعیل خاں (صوبہ سرحد) میں ہوئی۔ والد ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا فقیر عبد القادر (م ۱۹۱۹ء) بن مولانا پیر محمد حسن (م ۱۸۹۷ء) بن امام المشائخ حضرت فقیر محمد رضا نوحانی زکوڑی (م ۱۸۵۷ء) تھا۔ میٹرک کرنے کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لیے زکوڑی شریف، بنوں اور سیپل شریف میں مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ کیا، ۱۹۳۲ء میں اپنے بڑے بھائی مولانا پیر عبید اللہ خاں کی رحلت کے بعد سجادہ نشین بنے۔

۱۹۳۹ء میں ڈیرہ اسماعیل خان میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی، پیر صاحب بھی اپنے دوستوں سمیت مسلم لیگ میں عملی طور پر شریک ہوگئے، ۱۹۴۰ء میں جلسہ قرار داد پاکستان کے موقع پر ۲۳ مارچ، کو نوجوان پیر صاحب نے ڈیرہ اسماعیل خاں کی نمائندگی کی اور پھر تحریک پاکستان کو ہر دل کی دھڑکن بنانے کے لیے صوبہ سرحد کے کونے کونے میں دورے کرکے مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں اور جلسے کیے، دوسرے صوبوں سے بھی مقررین کو بلایا جن میں نواب

بہادر یار جنگ (م۱۹۴۴ء)، مولانا کرم علی ملیح آبادی (م۱۹۷۲ء) اور مولانا عبدالحامد بدایونی (ف۱۹۷۰ء) بھی شامل تھے۔

۴۵۔۱۹۴۶ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو فعال بنانے کے لیے تین بورڈ قائم کیے گئے، ایک بورڈ کا نام سلیکشن بورڈ تھا جس کا کام آئندہ انتخابات کے لیے موزوں امیدواروں کا انتخاب تھا، پیر زکوڑی شریف کو اس بورڈ کا ممبر منتخب کیا گیا، اس بورڈ نے تمام سرحد کا دورہ کیا۔ تمام صوبہ کا دورہ کرنے کے بعد بورڈ نے اپنے اجلاس میں عام انتخابات کے لیے بالاتفاق ٹکٹ تقسیم کیے، پیر صاحب کو حلقہ لکی مغربی سے نامزد کیا گیا۔ جب انتخابات کا نتیجہ نکلا تو پچاس کے ایوان میں سے مسلم لیگ کے حصہ میں سترہ سیٹیں آئیں جن میں سے دو تین سیٹیں صرف پیر صاحب کی وجہ سے جیتی گئیں، پیر صاحب اپنی سیٹ سے ۵۵۷۱ ووٹ لے کر جیت گئے جب کہ ان کے مد مقابل آزاد امیدوار خان عبدالستار کو ۳۷۷۶ ووٹ ملے۔

اس کے بعد سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی کانگریسی وزارت نے مسلمانان سرحد کا قافیہ تنگ کر دیا، ان پر بے پناہ مظالم توڑے گئے، آخر صوبہ سرحد کے عوام باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈٹ گئے، حکومت نے مسلم لیگ کے جلسے جلوسوں پر پابندی عائد کر دی مسلم لیگ کے اہم لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا اور گرفتار شدگان کی اکثریت ڈیرہ اسماعیل خان میں پابہ زنجیر کر دی گئی جن میں پیر مانکی شریف شامل تھے۔

جیل میں تمام سیاسی قیدی پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتے جن کی امامت کے فرائض پیر صاحب زکوڑی شریف ادا فرماتے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے پلان کا اعلان ہوا جس کے تحت تقسیم ملک کا فیصلہ کیا گیا، صوبہ سرحد میں استصواب رائے کا مرحلہ آیا تو ملک بھر کے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دینے کا اعلان ہوا، اس طرح پیر صاحب اور ان کے ہزاروں ساتھی جیل سے باہر آئے۔

۱۰ جون ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد کے نمائندگان کا خصوصی اجلاس حضرت قائداعظم کی صدارت میں ہوا جس میں صوبہ سرحد کی سیاسی حالت اور دیگر مسائل زیر بحث آئے اور آخر میں بالاتفاق صوبہ سرحد کے لیے ریفرنڈم کا سربراہ پیر صاحب زکوڑی شریف کو مقرر کیا گیا۔ ریفرنڈم کے لیے کانگریس کے صندوقچہ کا رنگ سرخ اور مسلم لیگ کے صندوقچہ کا رنگ سبز تھا، ان سرخ اور سبز رنگ کے الفاظ سے فائدہ اٹھا کر پیر صاحب جلسوں میں اپنی خطابت کے یوں

جوہر دکھاتے: "لوگو! دیکھو، جہنم کا رنگ سرخ ہے، آگ کے شعلے سرخ ہیں، انگریز کا منہ سرخ ہے، بندر کا چہرہ سرخ ہے، تباہی مچانے والی آندھی کا رنگ سرخ ہے اور کفر کے صندوق کا بھی رنگ سرخ ہے جو اس سرخ صندوق میں ووٹ ڈالے گا وہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کے مقابلے میں چمن زار سبز ہے، روضۂ مبارک کا رنگ سبز ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جبہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے علم کا رنگ سبز ہے مسلم لیگ کے پرچم کا رنگ سبز ہے جو اس سبز رنگ کے صندوق میں ووٹ ڈالے گا وہ بہشت کے سبز رنگ کے پرندوں کے ساتھ بہشت میں خوشی سے پرواز کرے گا۔ آخر پیر صاحب اور ان کے مخلص ساتھیوں کی سعی و کاوش رنگ لائی، ریفرنڈم کے دن پولنگ اسٹیشنوں پر پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے والوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں، لیکن کانگریس کے پنڈالوں میں ہو کا عالم طاری تھا، جب پولنگ کا نتیجہ نکلا تو پاکستان کے حق میں ۲۸ لاکھ دو ہزار اور ہندوستان کے حق میں صرف ۸۷۴ ووٹ پڑے۔

قیام پاکستان کے بعد پیر صاحب اس نوزائیدہ مملکت کی فلاح و بہبود کے لیے ہمہ تن مصروف رہے، حق گوئی و بیباکی ان کا شیوہ رہا، بدیں سبب کئی بار قید و بند کی صعوبتوں سے نبرد آزما رہے، ۲۳ر صفر المظفر ۱۳۹۸ھ/فروری ۱۹۷۸ء بروز پیر اڑھائی بجے علی الصبح ملتان میں دل کا دورہ پڑنے سے آپ کی رحلت ہوئی، جسد مبارک کو خانقاہ زکوڑی شریف میں لاکر سپرد خاک کیا گیا۔ (ملخصاً از ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۴۵۔۵۰)

[91] مولانا عبد الستار خان نیازی: آپ ۲۲ر ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء کو اٹک پنیالہ تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی کے ایک ممتاز خاندان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں، پھر عیسیٰ خیل میں حاصل کی، میٹرک کے بعد ڈاکٹر اقبال کے قائم کردہ اشاعت اسلام کالج میں ۱۹۳۳ء میں داخل ہوئے، ۱۹۳۵ء میں اسی کالج سے ماہر تبلیغ کورس میں اولین پوزیشن حاصل کرکے ڈاکٹر اقبال کے دست مبارک سے سند حاصل کی، ۱۹۳۶ء میں اس کالج میں تھرڈ ائیر میں داخلہ لیا، اسی سال دی پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی، ۱۹۳۸ء میں بی اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے، پھر ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء کے لیے مسلم لیگ ضلع میانوالی کے کنوینر و صدر منتخب ہوئے، ۱۹۳۸ء میں ایم اے عربی میں داخلہ لیا، اکتوبر ۱۹۳۹ء کو دہلی میں محمد علی جناح سے پہلی ملاقات ہوئی، قرارداد پاکستان ۱۹۴۰ء کو لاہور کے

جس اجتماع میں پیش کی گئی اس میں اسٹیج پر اہلسنت کے دیگر عمائدین کے ساتھ آپ بھی موجود تھے، ۱۹۴۱ء میں بانی پاکستان کی زیرصدارت میں پاکستان کانفرنس میں خطاب کیا، ۱۹۴۱ء میں بانی پاکستان کے مخالف اخبارات کے خلاف بھرپور احتجاج کیا اور لاہور میں اخبار سوزی کے ناقابل فراموش مناظر پیش کیے، ۱۹۴۲ء میں ضلع مسلم لیگ میانوالی کے دوبارہ صدر منتخب ہوئے، ۱۹۴۳ء میں انجمن نعمانیہ ہند لاہور کے ڈپٹی جنرل سیکریٹری بنائے گئے۔ ۲۸ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو پنجاب مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں بانی پاکستان کی موجودگی میں علامہ عبدالحامد بدایونی اور آپ نے تقریریں کیں، ۱۹۴۵ء میں مولانا نیازی نے معروف صحافی اور رکن مسلم لیگ میاں محمد شفیع کے ساتھ مل کر پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی، ۱۹۴۵ء کو جب کہ آپ ضلع مسلم لیگ میانوالی کے صدر، صوبائی مسلم لیگ کے سیکریٹری تھے تو آپ کے حریفوں نے ایک سازش کے تحت گرفتار کروادیا، ۹ تا ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں امیر ملت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی زیرصدارت ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی، جس کا مقصد پنجاب میں مسلم لیگ کے کام کو تیز تر کرنا تھا اور اگلے ماہ ہونے والے الیکشن میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیاب کرانا تھا، اس کانفرنس میں اکابر اہلسنت مولانا ابو الحسنات قادری (م ۱۹۶۱ء)، مولانا عبدالحامد بدایونی (م ۱۹۷۰ء)، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی (م ۱۹۷۰ء)، خواجہ قمر الدین سیالوی (م ۱۹۸۱ء)، مخدوم محمد رضا شاہ گیلانی ملتانی (م ۱۹۴۹ء)، خواجہ غلام محی الدین گولڑوی (م ۱۹۷۴ء)، پیر صاحب مانکی شریف (م ۱۹۶۰ء) اور مولانا جمال میاں فرنگی محلی کے علاوہ مولانا نیازی نے خطاب کیا، ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں صوبائی سیٹ کے لیے مولانا نیازی کو بانی پاکستان کی ہدایت پر ٹکٹ دیا گیا اور آپ نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی، ۱۹۴۷ء کو سول نافرمانی کی تحریک میں مولانا نیازی نے گرفتاری پیش کی، اس طرح جب ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آگیا، اس کے بعد انگریز کے کاسہ لیس، سرمایہ دار کمیونسٹ ذہنیت رکھنے والوں نے نظریہ پاکستان کو الجھانے اور ملک میں فکری انتشار اور بے دینی پھیلانے کی سازشیں شروع کیں اور وہ جاگیردار اور رئیس جو قیام سے قبل اسلام، اسلام کا نعرہ لگاتے تھے، اسلام سے راہ فرار اختیار کرنے لگے تو مولانا نیازی نے مسلم لیگ کے اندر ۱۹۴۸ء میں ایک اپوزیشن "خلافت پاکستان گروپ" کی اور گویا پاکستان کی پہلی اپوزیشن تھی۔
بہرحال مولانا نیازی نے قیام پاکستان سے قبل اسلام اور قیام پاکستان کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں اور قیام

غرض کہ پانچ ہزار علماء و مشائخ (ایک روایت کے مطابق پانچ سو مشائخ اور سات ہزار علماء)[92] کی موجودگی میں قرار داد پیش کی گئی کہ مسلم لیگ اور محمد علی جناح اگر قیام پاکستان کے فیصلے سے دستبردار بھی ہوگئے تو ہم دستبردار نہیں ہونگے ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ وہابیوں نے برائے نام اپنے دو تین مولوی بھیج دیئے اور جب پاکستان بنا تو سب آستینیں چڑھا کر باہر آگئے، مولانا مودودی باہر آگئے ہم نے پاکستان بنایا، مفتی محمود بھی میدان میں آگئے ہم نے پاکستان بنایا، سارے وہابی میدان میں آگئے ہم نے پاکستان بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اہلسنت و جماعت کے مشائخ عظام نے قائم کیا ہے۔ اور اس کا اعتراف مخالفین نے بھی کیا ہے۔[93]

پاکستان کے بعد بھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی بلکہ دین اسلام اور ملک و قوم کی حمایت میں فعال کردار ادا کرتے رہے خصوصاً تحریک ختم نبوت میں آپ کا مجاہدانہ اور سرفروشانہ کردار ناقابل فراموش ہے کہ جس میں آپ کو سزائے موت ہوئی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل کردی گئی۔ آخر تک آپ نے ملک میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی کوششیں جاری رکھیں بالآخر ۲ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ / ۲ مئی ۲۰۰۱ء بروز بدھ آپ نے نماز فجر ادا کی اس کے بعد ذکر واذکار میں مشغول تھے کہ ۵:۵ پر حرکت قلب بند ہونے سے جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔ (ملخصًا)

(ماخوذ از کتاب: حیات، خدمات، تعلیمات مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی)

[92] یہ اعداد و شمار شمس الاطباء حکیم محمد حسین بدر (علیگ) نے بیان کیا جو اس عدیم النظیر اجلاس میں شامل تھے، بحوالہ سات ستارے، ص ۸۳، مطبوعہ لاہور (پاکستان بنانے والے علماء و مشائخ، ص ۱۰۸) اور پروفیسر محمد اکرم رضا نے بیان کیا (ماہنامہ ضیائے حرم، اگست ۱۹۹۰ء، ص ۴۷)

[93] مخالفین پاکستان اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ سنی اکابرین مسلم لیگ کے ہمنوا تھے، ان میں سے صرف دو بیانات درج ذیل ہیں:

۱۔ خان عبدالغفار خان جسے سرحدی گاندھی کہا جاتا تھا اس نے کہا: "حکومت اور مسلم لیگ نے اور سرحد کے گدی نشین پیر اور پرہیزگار سب کو کوٹھڑیوں سے نکال کر الیکشن میں جھونک دیا تھا۔

اب کہیے جماعت اسلامی کے جو لوگ کہتے ہیں ہم نے پاکستان بنایا وہ سُنیں: مودودی صاحب کی اپنی کتاب "تحریکِ آزادئ ہند" میں تحریک پاکستان کے متعلق کیا لکھا ہے۔ مودودی صاحب سے پوچھا گیا آپ اس تحریک میں شریک کیوں نہیں ہوتے۔ جواب سنیے: "آپ حضرات یہ ہرگز گمان نہ کریں کہ میں اس کام میں کسی قسم کے اختلاف کی وجہ سے حصہ نہیں لیتا دراصل میری مجبوری یہ ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حصہ لوں تو کس طرح لوں ادھوری تدبیر

(بحوالہ اقبال، قائداعظم از رشید محمود راجا، ص ۱۴۳)(حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان، ص ۸۴)

مشہور کانگریسی مولوی دارالعلوم دیوبند کی بڑی شخصیت مخالفین پاکستان کے اول دستہ کے سالار اعظم مولوی حسین احمد دیوبندی کا اعتراف "خود علماء کس حال میں ہوں گے، کیا آپ کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اسی پنڈال میں (مسلم لیگ) کے اجلاس کے بعد علماء کا اجلاس ہوا، اور بھر چونڈی شریف کے پیر صاحب نے صدارت فرمائی، مولانا جمال صاحب، صاحبزادہ مولانا عبد الباری صاحب مرحوم فرنگی محل اور مولانا عبد الحامد بدایونی اور بہت سے حضرات ان دنوں ان تمام اجلاسوں میں شریک رہے، جب حالت اس درجے بدل گئی ہے کہ مسلم عوام، ارباب طریقت، ارباب شریعت سب کے سب اس سیلاب (مسلم لیگی مشن) کی نذر ہوتے ہوئے دین اور احکام دین سے برگشتہ ہونے جا رہے ہیں تو جمعیت (علماء ہند) کے مٹھی بھر افراد اپنی خستہ حالی کے ساتھ کیا کر سکیں گے"۔ بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول، مؤلفہ نجم الدین اصلاحی، مکتبہ دینیہ دیوبند ص ۲۶۰ (حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان، ص ۸۴)

نانڈوی سے دیوبندی، پھر دیوبندی سے مدنی کہلوانے والے حسین احمد کا یہ بیان اعتراف حقیقت کے ساتھ ساتھ تعجب خیز ہے کہ بائیس ہزار سے زائد مشائخ و علماء تو قیام پاکستان کے لیے مسلم لیگ کی حمایت اور عملی سعی میں شریک ہونے کی وجہ سے دین اور احکام دین سے برگشتہ ہو گئے اور تم اور تمھارے ہم مسلک ہندوؤں کی حمایت کر کے مسلمانوں کی مخالفت کر کے، انہیں انگریزوں کی غلامی سے نجات ملنے پر ہندوؤں کی غلام بنانے کی ناکام سعی کر کے، گاندھی کو منبر رسول پر بٹھا کے، گاندھی اور نہرو جیسے کافر کو اپنا مقتداء بنا کے، گاندھی نہرو کے قصیدے گا کے، مسلمانوں کو گالیاں دے کے بھی دین اور احکام دین پر قائم رہیں۔

میرے ذہن کو بالکل اپیل نہیں کرتی، نہ داغدوزی ہی سے کبھی مجھ کو دلچسپی رہی، اگر کوئی تعمیر پیش نظر ہوئی تو میں دل و جان سے ہر خدمت انجام دینے میں عملاً کوئی خدمت انجام دینے کے بجائے خود طالب علم کی طرح دیکھتا ہوں سوچنے والے اس جزوی اصلاح اور تعمیر کی کیا صورتیں نکالتے ہیں" کیا مطلب ہوا کہ یہ جو تحریک چل رہی ہے میں صرف ایک طالب علم کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے"؟؟

پاکستان کے مشہور مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جو وزیر تعلیم بھی رہے اور کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی[94]۔ وہ اور ان کے علاوہ دیگر مؤرّخین نے کہا کہ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی[95]، میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہ سارے

---

[94] موصوف ۱۹۵۰ء میں منسٹر آف اسٹیٹ حکومت پاکستان برائے تعلیم و آبادکاری ہوئے اور ۱۹۶۱ تا ۱۹۷۱ء یونیورسٹی آف کراچی (پاکستان) کے وائس چانسلر رہے (حالات زندگی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، از خواجہ رضی حیدر، ص۳۸۔۴۰)

[95] مولانا مودودی: ابوالحسان محمد رمضان قادری لکھتے ہیں: مودوی صاحب نہ صرف یہ کہ پاکستان کے مخالف تھے بلکہ سرے سے آزادی کے ہی مخالف تھے، جس وقت ہندو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں بڑی جماعتیں حصول آزادی کے لیے سرگرم عمل تھیں، اس وقت مودودی صاحب تحریک آزادی میں حصہ لینے کی بجائے تحریک آزادی کے خلاف سرگرم عمل تھے، اس وقت بھی موصوف یہ منطق بگھار رہے تھے کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کی کیا ضرورت ہے ذرا صبر سے کام لو، اپنی آزادی روک دو، تو ہم رفتہ رفتہ انگریزوں کو اپنی لٹریچر پڑھاکر اور انہیں سمجھا بجھا کر اسلام قبول کر لینے پر رضامند کر لیں گے ....در پردہ مودودی صاحب اس منطق کے ذریعے ملک پر انگریزی راج کو مدتوں مسلّط رکھنے کی فکر میں تھے۔ (بحوالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش: ۳/۱۲۲، ۱۲۳)

بہر حال اگر کوئی شخص اُن کے ارشادات سے ان کے مافی الضمیر کو سمجھنے سے قاصر ہو تو انہی کا مندرجہ ذیل فرمان دیکھ لے "مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کر دیا جائے"۔ (کتاب مذکور، ص ۹۴)

اور اگر پھر بھی کسی قسم کا کوئی شک باقی رہ گیا ہو، انہی کا تیسرا اعلان حاضر ہے: "مسلم لیگ، احرار، خاکسار اور جمعیۃ العلماء اور آزاد کانفرنس سب کی سب اس وقت تمام کارروائیاں حرف باطل کی طرح محو کر دینے کے لائق ٹھہرتی ہیں، نہ ہم قومی اقلیت ہیں نہ آبادی کے فیصد تناسب پر ہمارے وزن کا انحصار ہے، نہ ہندوؤں سے ہمارا کوئی جھگڑا ہے نہ انگریزوں سے وطنیت کی بنیاد پر ہماری لڑائی ہے، نہ اقلیت کے تحفظ کی ہمیں ضرورت ہے، نہ اکثریت کی بنیاد پر ہمیں قومی حکومت مطلوب ہے"۔ (کتاب مذکور: ۳/۱۱۰)

بہر حال مودودی صاحب کی اس نرالی منطق کو قوم نے لائق توجہ نہ سمجھ کر تحریک آزادی کو تیز کر دیا، ملک کے گوشے گوشے سے مسلم لیگ زندہ آباد، قائداعظم زندہ باد اور لے کے رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان کے نعرے گونجنے لگے تو آزادی کی راہ میں روڑے اٹکانے والے یہی مودودی صاحب اس بات پر جل بھن گئے کہ قوم نے محمد علی جناح کو قومی قیادت کا تاج پہنا کر اپنا قائداعظم کیوں بنا لیا، بس پھر کیا تھا فوراً پینترا بدل کر اپنی حکمت عملی کی تمام تر قوت کے ساتھ مسلم لیگ اور قائداعظم پر حملہ آور ہو گئے۔

اور جوش رقابت میں بے قابو ہو کر تحریک پاکستان اور قائدین تحریک کے خلاف ایسی تحریریں لکھنا شروع کر دیں، جو اسلامی اخلاق تو بڑی چیز ہے عام شرافت کے معیار سے بھی گری ہوئی تھیں، چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ "افسوس کہ مسلم لیگ کے قائداعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلام ذہنیت اور اسلامی نظر و فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو، یہ لوگ مسلمان کے معنٰی و مفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے"۔ (ترجمان القرآن ۱۳۵۹ھ، ص ۲۶، سیاسی کشمکش: ۳/۳۷)

۲۔ "جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی نہیں تو) لازماً جمہوری اور لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا"۔

(ترجمان القرآن، فروری ۱۹۴۶ء، ص ۱۵۴)

۳۔ "جب میں مسلم لیگ کی ریزولیشن (قرار داد پاکستان) کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے"۔
(بحوالہ سیاسی کشمکش ۳/۳۷) (انگریز اور پاکستان کے حامی اور مخالف علماء کا بیان، ص ۲۷)

۴۔ اس نام نہاد مسلم حکومت (پاکستان) کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں، جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقاصد کے لیے نہ صرف غیر مفید ہوگی بلکہ کچھ زیادہ ہی سدّ راہ ثابت ہوگی"۔ (سیاسی کشمکش ۳/۱۷۰)

۵۔ "باقی رہا نظام حکومت وہ پاکستان میں بھی ویسا ہی ہوگا جیسا ہندوستان میں ہوگا۔ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت اسلامی نقطہ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی قابل ترجیح نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ قابل لعنت ہے"۔ (کتاب مذکور، ص ۱۳۱، حاشیہ)

۶۔ " مسلم لیگ کی حمایت میں اگر کوئی لفظ میں (مودودی) نے لکھا ہو تو اس کا حوالہ دیا جائے"۔ (بحوالہ ترجمان القرآن، جولائی ۱۹۳۸ء)(انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۶) (مخالفین پاکستان، ص ۳۲)

۷۔ "ہم کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ تقسیم ملک کی جنگ میں ہم غیر متعلق رہے"۔
(بحوالہ ترجمان القرآن، نومبر ۱۹۶۳ء)(انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۶۔۲۷)

۸۔ معمر لیگی رہنما سردار شوکت حیات نے کہا کہ قائداعظم کے حکم پر میں اور راجہ غضنفر علی خان ۱۹۴۶ء میں جب قائد اعظم کا پیغام لے کر مولانا مودودی کے پاس گئے اور کہا کہ آپ پاکستان کے لیے دعا بھی کریں تو مولانا نے کہا" آپ میرے پاس "ناپاکستان" کے لیے دعا کروانے آئے ہیں"۔
(بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور، ۱۷ دسمبر ۱۹۸۴ء)(انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۷)

الغرض مودودی صاحب نے اسلامیان ہند کو مسلم لیگ، تحریک پاکستان اور قائداعظم سے متنفر کرنے کی خاطر اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر دیں، اس سلسلہ میں بھی اُن کی ہفوات اس قدر ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک مبسوط دفتر تیار ہو جائے تاہم اس وقت جب کہ حالات یکسر بدل چکے ہیں، جماعت اسلامی اور اس کے پیشوا مودودی صاحب اپنی حکمت عملی کے تحت مسلم عوام اور خصوصاً قوم کے نوجوان طلباء کا تعاون حاصل کرنے کی خاطر تحریک پاکستان اور نظریہ پاکستان کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کرنے لگے ہیں، چنانچہ میاں محمد طفیل صاحب اب

دعویٰ کرتے ہیں کہ اس باب میں مودودی صاحب کی خدمات دوسرے تمام رہنماؤں کی خدمات پر بھاری ہیں اور خواجہ رضی حیدر نے اس قسم کے بیان کے بارے میں پاکستان کے اہم رکن اور ممتاز مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے پوچھا تھا چنانچہ خواجہ صاحب لکھتے ہیں: "میاں طفیل (جماعت اسلامی کے اہم رکن) کے ٹی وی انٹرویو کے بارے میں جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مولانا مودودی نے تحریک پاکستان اور قائداعظم کی کبھی مخالفت نہیں کی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں تو مولانا مودودی سے بہت عرصہ سے واقف ہوں، میرے اور ان کے بہت اچھے تعلقات ہیں، اُن کی بہت سی چیزوں کی میں قدر کرتا ہوں لیکن یہ کہ انہوں نے پاکستان کی مخالفت نہیں کی، اس کے کچھ اسباب تھے، یہ خیال غلط ہے کہ مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی مخالفت نہیں کی، پاکستان کی تو انہوں نے کُھل کر مخالفت کی تھی"۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ا، ص۲۵) یہاں تک کہ خود مودودی صاحب نے بھی چیلنج دے دیا ہے کہ کسی کی ہمت ہے تو ثابت کرے کہ میں نے کبھی تحریک پاکستان کی مخالفت کی ہے، اگرچہ اُن کی پاکستان دشمنی اظہر من الشمس ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس صریح جھوٹ کی قلعی کھولنے کے لیے جماعت اسلامی کی پاکستان دشمنی کے ثبوت میں ہائیکورٹ کا فیصلہ پیش خدمت کردیا جائے۔

واضح رہے عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ ۱۹۵۴ء میں سنایا تھا، مگر جماعت اسلامی کو آج تک اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی ہے عدالت عالیہ کا یہ بینچ چیف جسٹس محمد منیر، مسٹر جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل تھا، فاضل ججوں نے اپنے فیصلے میں لکھا تھا: "جماعت "مسلم لیگ" کے تصور پاکستان کے علی الاعلان مخالف تھی اور جب پاکستان قائم ہوا ہے جس کو "ناپاکستان" کہہ کر یاد کیا جاتا ہے، یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کررہی ہے، ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جس میں مطالبہ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو، اس کے برعکس یہ تحریریں جن میں کئی مفروضے بھی شامل ہیں تمام کی تمام اس شکل کی مخالف ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا اور جس میں اب تک موجود ہے"۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص۲۶۱)

اور اگر کوئی شخص یا جماعت کسی عدالت کے فیصلے سے مطمئن نہ ہو تو اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ وہ اس عدالت کے فیصلے کے خلاف اس عدالت سے بڑی عدالت میں اپیل دائر کرے اور اپنے دفاع میں معقول دلائل و شواہد پیش کر

دیوبندی وہابی جنہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگاکر پاکستان کی مخالفت کی، اس سے بڑی بے شرمی کیا ہوگی کہ جب پاکستان بنا تو سب یہاں آ گئے۔ پاکستان کو "پلیدستان" کہنے والے یہاں آ گئے۔ "نہرو کی جوتی پر دس ہزار جناح قربان کرنے والے یہاں رہ رہے ہیں اور باوجود مخالفت، اب پاکستان کے ٹھیکیدار بن گئے کہ پاکستان ہم نے بنایا ہے تحریک پاکستان کو ہم نے چلایا ہے[96]۔ اور اب تو جناب جھوٹ اور ڈھٹائی کا عالم یہ ہے اب تو اخبارات میں ان کے

کے انصاف طلب کرے، لیکن چونکہ مودودی صاحب اور اس کی جماعت کے اراکین بخوبی جانتے تھے کہ ان کے بارے میں ہائیکورٹ کا فیصلہ صحیح ہے، تحریک پاکستان میں انہوں نے واقعی کوئی حصہ نہیں لیا تھا، بلکہ انہوں نے پاکستان، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھی مسلم لیگیوں کی کُھل کر مخالفت کی تھی، اس لیے طویل وقت گزر جانے کے باوجود انہیں سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ ملخصًا

(مکمل تاریخ وہابیہ ص ۱۸۴ تا ۱۹۱)

96 جو کل پاکستان کے مخالف تھے: حقیقت بھی یہی ہے کہ جو کل پاکستان کے مخالف تھے، آج دعوی کر رہے ہیں کہ ہم اور ہمارے بزرگوں نے پاکستان بنایا ہے، جب کہ نہ وہ خود جدوجہد آزادی کا کبھی حصہ رہے اور اپنے جن بزرگوں کا وہ ذکر کرتے ہیں ان کی اکثریت تو ایسی ہے جو قیام پاکستان کی راہ میں روڑے اٹکانے کا کام کرتے رہے اور پاکستان مخالف جماعتوں کا حصہ رہے جیسے مودودی صاحب جو بذات خود پاکستان کے مخالف تھے اور انہوں نے تقریر، تحریر، قولاً، عملاً اس کی مخالفت کی اور مولانا فضل الرحمٰن کے والد مفتی محمود صاحب جس جماعت کے اہم رکن تھے، وہ جماعت احرار کے نام سے معروف ہے اور اس جماعت کے لوگوں نے پاکستان اور پاکستان بنانے والوں، مسلم لیگ اور لیگ کے رہنماؤں کو جس قدر گالیاں بکیں لکھیں، چھاپیں اس قدر گالیاں تو شاید ہندوؤں نے بھی نہ دی ہوں گی، اسی طرح خان عبد الغفار خان جو قیام پاکستان سے قبل ہی اپنی کانگریس نوازی اور گاندھی کی اطاعت شعاری کی وجہ سے سرحدی گاندھی کے نام سے جانے جاتے ہیں، اسی طرح ٹوانہ خاندان کے فرد فرید خضر حیات ٹوانہ کی اسلام و پاکستان دشمنی کسی سے چھپی نہیں اور پھر سندھ میں عبید اللہ سندھی، مولانا تاج محمود امروٹی، مولوی صادق

(کھنڈہ، کراچی) وغیرہم عقائد وہابیہ رکھنے والے وہ لوگ تھے جو اسلام کے نام پر لوگوں کو کانگریس کا حامی بنانے میں دن رات کوشاں رہے اور اسی طرح سندھ کی معروف سیاسی شخصیت جی ایم سید صاحب جو شروع میں مسلم لیگ میں تھے الیکشن میں ٹکٹ نہ ملنے پر مخالف ہو گئے اور مخالفت کو خوب نبھایا، آخر تک بھی حمایت کا خیال بھی نہ آیا جیسا کہ معروف صحافی رشید احمد لاشاری مرحوم کی کتاب "ادب کی آڑ میں" اور حضرت پیر محمد ابراہیم جان سرہندی کی کتاب "سندھ سونہاری" میں موصوف کے اسلام و پاکستان دشمن کارنامے تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور وہ ۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات تھے کہ جس میں جی ایم سید (م ۱۹۹۵ء) کی سیٹ پر گھمسان کا رن پڑا، مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) (کانگریسی) جی ایم کی پیٹھ ٹھونکنے کے لیے سندھ میں آئے، قائداعظم نے جی ایم کے مقابلے میں قاضی محمد اکبر کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دیا اور وہ ہر قیمت پر اپنے اس امیدوار کی کامیابی کے خواہاں تھے مسلم لیگ نے اس حلقہ پر خصوصی توجہ دی سندھ کے بڑے بڑے مشائخ اور علماء نے دن رات ایک کر کے اس حلقہ میں بہت سے جلسوں میں خطاب کیا، حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی نے بھی اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ مسلم لیگ کی کامیابی و کامرانی کے لیے بھرپور جدوجہد کی، نتیجۃً جی ایم بری طرح ہار گئے، ملخصاً (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ص ۳۲)

اسی کا ذکر مشہور مؤرّخ ڈاکٹر قریشی نے اپنے کلمات میں فرمایا "کہ سیاست دانوں کے دو گروہ تھے سوادِ اعظم قائداعظم کے ساتھ اور باقی لوگ کانگریسی تھے"۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص ۳۱)

بہر حال پاکستان کی مذہبی و سیاسی جماعتوں میں سے بعض جماعتیں جن لوگوں کو پاکستان کا حامی بتاتی ہیں، اسلام کا شیدائی بتاتی ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنھوں نے کبھی پاکستان کی حمایت نہ کی بلکہ مخالفت میں انہوں نے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیں، چنانچہ اسی حقیقت کو تحریک پاکستان کے ممتاز رکن اور عالمی شہرت یافتہ مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ایک انٹرویو میں ان لفظوں میں بیان کیا: "دراصل ہم ماضی کی بجائے حال کو دیکھتے ہیں جو لوگ اس وقت کہتے ہیں ہم پاکستان کے حامی ہیں وہ خود سوچیں اور اپنی فکر کے تضاد پر غور کریں"۔ "چٹان" مولانا ابوالکلام آزاد کی تعریف میں صفحے کے صفحے سیاہ کر رہا ہے، اُن میں سے بعض جماعتیں ایسے افراد کی وکالت کرتی ہیں جو مرتے دم تک پاکستان کے حامی نہیں ہوئے، اس طرح حکومت کہتی کچھ ہے اور کرتی کچھ ہے۔ ان کے قول و فعل کے تضاد کا کیا کیا جائے"۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ا، ص ۱۹) یہ لوگ آج

مضامین تک بھی آجاتے ہیں کہ تحریکِ پاکستان میں علمائے دیوبند کا کردار۔ مؤرّخ پاکستان علماء دیوبند مثلاً شبیر احمد عثمانی، ظفر احمد عثمانی اور دیگر کے متعلق کہتا ہے: "ان کی اکثریت پاکستان کے مخالف تھی۔ وہ تو سرے سے دوقومی نظریہ کو مانتی ہی نہیں تھی"[97]۔

دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم پاکستان کے حامی تھے اور حامی ہیں اگر یہ سچ ہے تو یہ لوگ آج تک اُن کو اپنے پیشوا اور رہنما کیوں قرار دے رہے ہیں جو تحریک پاکستان کے مخالف اور گانگریسی اور ہندوؤں کے حامی، مسلمانوں کے غدار اور انگریزوں کے یار تھے، یہی نہیں بلکہ اُن کی تعریف میں ہزاروں، لاکھوں صفحات سیاہ کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں، محض عوام الناس کو دھوکا دے رہے ہیں۔

[97] دو چار کے علاوہ باقی دیوبندی ہندوؤں میں مدغم ہو گئے: اس حقیقت کو تحریکِ پاکستان کے ایک اہم رکن محمد علی جناح کے قریبی ساتھی اور بین الاقوامی شہرت یافتہ مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنے ایک انٹرویو میں بیان کیا، یاد رہے یہ انٹرویو روزنامہ "حریّت" کے سابق سب ایڈیٹر خواجہ رضی حیدر نے ۲۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کو لیا تھا اور ۸ جنوری ۱۹۷۹ء کو یہ ہفت روزہ "افق" کراچی میں شائع ہوا، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: "دو چار علماء کے علاوہ دیوبندیوں کا باقی حصہ تو ہندوؤں میں بالکل مدغم ہو چکا تھا"۔

(دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ا، ص ۲۰)

اور اس انٹرویو میں ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ "دیوبندی علماء میں شبیر احمد عثمانی پاکستان کی تحریک میں شامل تھے، جب کہ اہلسنت کے بیشتر علماء نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان میں مولانا عبد الحامد بدایونی، علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی، مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، سید محمد محدث کچھوچھوی، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا ابو الحسنات قادری وغیرہ پیش پیش تھے"۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ایک سوال کے جواب میں کہا: "مولانا عبد الستار خان نیازی اور خواجہ قمر الدین سیالوی احراری ہرگز نہیں تھے، بلکہ انہوں نے تحریک پاکستان میں بہت کام کیا اور یہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا"۔

(دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ا، ص ۳۰۔۳۱)

اب مجھے بتائیے کہ پاکستان کا بنانے والا کون؟ حقائق سے معلوم ہوا کہ پاکستان کو اہلسنت نے بنایا[98]۔

---

98 پاکستان سنی علماء ومشائخ نے بنایا: پاکستان سنی علماء ومشائخ نے بنایا اس کے لیے ہر قسم کی قربانی دی، خود بھی اس جدوجہد میں شریک رہے اور اپنے متعلقین اور عوام المسلمین کو اس تحریک کا حامی بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا، اس میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کا کردار ناقابل فراموش ہے، خصوصاً بنارس سنی کانفرنس کے اٹل فیصلے تاقیامت تاریخ کا ایک باب بن کر تاریخ کے اوراق کو زینت بخشتے رہیں گے، یہاں ہم بطور نمونہ علماء ومشائخ کے چند فرمودات ذکر کرتے ہیں:

(۱) اوائل دسمبر ۱۹۴۵ء میں پنجاب کے نامور صوفیاء کرام نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک اعلان جاری فرمایا جس میں مریدین کے علاوہ تمام مسلمانوں کو ہدایت اور تاکید کی گئی کہ وہ مسلم لیگ کی حمایت کریں، حضرت امیر ملت (سید جماعت علی شاہ) نے اس موقع پر بھی یہی فرمایا کہ "جو مسلم لیگ میں شامل نہ ہوا اور مرجائے تو ان کے مرید ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھیں"۔ (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام ص ۷۶۔۷۷)

امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کو ایک تار ارسال کیا جس میں آپ نے فرمایا: "مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ اور قائداعظم محمد علی جناح ان کے واحد لیڈر رہیں...... طول وعرض ہندوستان میں میرے لاکھوں مرید مسلم لیگ کے ساتھ ہیں"۔

(بحوالہ ہفت روزہ سعادت لائل پور، مجریہ ۸ر جولائی ۱۹۴۵ء ص ۴) (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، ص ۲۷۶)

(۲) ۳ر مئی ۱۹۴۶ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں مرکزی انجمن نعمانیہ ہند لاہور میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے ناظم نشر واشاعت نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام قربانیوں کا واحد حل قیام پاکستان میں مضمر ہے، پاکستان دس کروڑ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال بن چکا ہے، ہم آزادانہ زندگی بسر کرنے کے لیے یا تو پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا مٹ جائیں گے۔ دوٹوک فیصلہ کی گھڑی آن پہنچی ہے ہم پاکستان کی راہ میں ہر روڑے کو ہٹانے کا عزم بالجزم کر چکے ہیں۔ (بحوالہ ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ، ۱۰ر مئی ۱۹۴۶ء، ص ۵) (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، ص ۱۴۲)

۱۱/اپریل ۱۹۴۶ء کو سنی کانفرنس سہسرام میں مولانا سید خیر الدین احمد نے ذکر کیا کہ وزارتی وفد کو قرارداد روانہ کی گئی ہے اور وہ قرارداد یہ ہے کہ ہم لوگوں کو کانگریس پر اعتماد نہیں ہے اور ہم پاکستان سے کم کوئی چیز قبول نہیں کریں گے۔
بحوالہ ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ ۱۹/اپریل ۱۹۴۶ء ص ۳ (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، ص ۱۳۱)

(۳) حضرت خواجہ معین الدین احمد فریدی سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر نے ۵/محرم الحرام ۱۳۶۵ھ / ۱۱/دسمبر ۱۹۴۵ء عرس شریف کی محفل میں آپ نے تمام محبین و متوسلین کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے آپ کے ارشاد کے موافق مرکزی قومی اسمبلی میں ووٹ مسلم قوم کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے امیدواروں کو دیے۔ آخر میں آپ نے فرمایا: ”آئندہ صوبجاتی الیکشن میں سب حضرات اپنے پورے اثر سے کام لے کر مسلم لیگ ہی کے امیدوار کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ (اخبار دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ، ۳۱/دسمبر ۱۹۴۵ء، ص ۶)

(۴) سجادہ نشین درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء خواجہ حسن نظامی نے تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کی بھرپور تائید و حمایت کی، ۱۹۴۵ء میں آپ نے بحیثیت صدر اول ”آل انڈیا چشتی پارٹی“ اعلان کیا: ”چشتیہ خاندان کے ماننے والے کروڑوں مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں“۔ (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ص ۱۰۱)

(۵) پیر امین الحسنات آف مانکی شریف نے فرمایا: اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے، ہر مسلمان کو حصول پاکستان کے لیے پوری جدوجہد کرنی چاہیے، جہاں وہ عزت و آزادی سے رہ سکیں، حصول پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو کیونکہ مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور آزادی کے لیے کوشاں ہے“۔

(بحوالہ ہفت روزہ احوال کراچی، ۳۔۱۹/اگست ۱۹۹۲ء، ص ۳۳) (حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان، ص ۸۲)

(۶) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاگرد حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں فرمایا: ”ہم سے مسلم لیگ کو اس کی امید رکھنی چاہیے کہ اس کا جو قدم سنیوں کے سمجھے ہوئے پاکستان کے حق میں ہوگا (یعنی اسلام اور قرآن کی آزاد حکومت) اور اس کے جس پیغام میں اسلام و مسلمین کا نفع ہوگا، آل انڈیا سنی کانفرنس کی تائید اس کو بے دریغ حاصل ہوگی اور دینی امور میں ہاتھ لگانے سے پہلے آل انڈیا سنی کانفرنس کی رہنمائی اس کو قبول کرنی ہوگی اور ضرور کرنی پڑے گی اس کے بعد اجمیر شریف میں ہونے والے آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس

۱۹۴۶ء میں سید محمد محدث کچھوچھوی نے فرمایا: "اب غفلت کے جرم سے باز آجاؤ، اُٹھ پڑو کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جاکر دم لو، یہ کام اے سنیو سن لو کہ صرف تمھارا ہے"۔
اس کے بعد فرمایا: "اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتادے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا، اس کا دفتر کہاں رہے گا اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اُٹھائے گا"۔ (ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، مجریہ اکتوبر ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۵)

(۷) خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور مسلم لیگ جبل پور کے صدر مفتی برہان الحق نے فرمایا: "اے حضرات اخوانِ ملت مسلمان بھائیو! کل جس مسلم لیگ کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، آج کانگریس اور برطانیہ دونوں کی نظریں اس کی پالیسی کی طرف لگی ہوئی ہیں، اس لیے اب جس قدر جلد ممکن ہو ۱۹۴۰ء کے لیے زیادہ ممبر بن جائیں، جن محلوں، دیہاتوں تحصیلوں میں مسلم لیگ قائم نہ ہو وہاں قائم کرکے اپنے ضلع سے الحاق کیجیے اور جلد بنا دیجیے کہ آپ اسلام کے لیے سینہ سپر ہونے اور اپنے محترم صدر قائداعظم مسٹر جناح کے ارشاد کی تعمیل پر ہر وقت تیار رہیں"۔ بحوالہ تحریک پاکستان کی ایک اہم دستاویز از مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ، لاہور ۱۹۸۶ء (حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان، ص ۸۳)

(۸) استاد العلماء مولانا یار محمد بندیالوی نے فرمایا: "ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے دوسری طرف کفر کا، چونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اس لیے اس سے کتنا اسلام سے کٹنا ہے"۔ (باغی ہندوستان (ضمیمہ)، ص ۳۴۶)

(۹) شیخ القرآن مولانا عبد الغفور ہزاروی نے فرمایا: "علماء احناف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیے"۔ بحوالہ اقبال، قائداعظم اور پاکستان، ص ۱۳۰ (حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان، ص ۸۳)

(۱۰) شیخ طریقت پیر فضل شاہ نے فرمایا: "مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں کیونکہ وہی ان کو نجات دلا سکتی ہے۔ بحوالہ قائداعظم اور ان کا عہد، ص ۲۴۰ (حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان، ص ۸۳)

(۱۱) گل محمد فیضی نقل کرتے ہیں کہ "۲۷/ نومبر ۱۹۴۵ء کو مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے دوران حضرت پیر جلال پوری نے فرمایا: "نہ صرف اپنے حلقہ نیابت میں اس امیدوار ہی کو ووٹ دینے چاہئیں جسے مسلم لیگ نے ٹکٹ دے کر کھڑا کیا ہو بلکہ اپنے حلقہ اثر میں اسے کامیاب بنانے کے لیے اپنی تمام کوششیں وقف کر دیں، امسال قومی تعلقات، رشتہ

داریوں اور دھڑبندیوں کے قصے سامنے نہیں آنے چاہئیں"۔ (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مجریہ اکتوبر ۱۹۸۹ء، تحریک پاکستان اور علماء و مشائخ اہلسنت، ص ۱۲۴)

(۱۲) حکیم محمد موسیٰ امرتسری فرماتے ہیں کہ حضرت میاں (علی محمد خان چشتی) صاحب قبلہ خاموشی سے کام کرنے کے عادی تھے، اخبارات میں بیان چھپوانے کو ناپسند فرماتے، لہٰذا تحریک پاکستان میں اپنے نمائندوں کے ذریعے اپنے مریدوں کو پاکستان کی مکمل حمایت کے پیغامات بھیجتے رہتے۔ (حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان، ص ۷۲-۷۳)

(۱۳) حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری فرماتے ہیں: "مولانا محمد بخش مسلم نے لاہور میں بیٹھ کر پاکستان کے لیے بہت کام کیا ہمارے امرتسر کے نوجوان لاہور میں مسلم صاحب کے پیچھے جمعہ پڑھنے خصوصی طور پر آتے تھے مسلم صاحب جمعہ کے خطاب میں قیام پاکستان کے لیے مدلل دلائل دیا کرتے تھے، انہوں نے عام دیہاتیوں کو مسلم لیگ کا حامی بنانے کے لیے بڑی سادہ سی بات کہی کہ مسلم لیگ نہیں بلکہ کفر و اسلام میں "لیک" ہے (پنجابی زبان میں لیک خط کو کہتے ہیں) تو ایک عام دیہاتی کی سمجھ میں مسلم لیگ کا منشور واضح ہو جاتا"۔ بحوالہ ماہنامہ ساحل، کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء (حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان، ص ۷۲)

مشائخ و علماء اہلسنت نے تقریراً، تحریراً ہر طرح اہل اسلام کو کانگریس کا ساتھ دینے سے روکا اور مسلم لیگ کی حمایت کے لیے آمادہ کیا حتیٰ کہ فتاویٰ کے ذریعے بھی چنانچہ مفتی عبد المتین سے کیے گئے دو سوالات اور ان کے جوابات اور امیر ملت کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

(۱۴) سوال: ہمارے یہاں کانگریس کا زیادہ زور ہے، یہاں پر کانگریس کی طرف سے بڑے بڑے لوگ آتے ہیں وعظ و تقریر کرتے ہیں تقریر ختم ہونے کے بعد عام لوگوں سے... کا نعرہ لگواتے ہیں ایسی محفل میں ہم مسلمان شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: کانگریسی مسلمان ہندوؤں سے ملے ہوئے ہیں اور ہندو سے وظیفہ پاتے ہیں، عام مسلمانوں کو ان کے جلسے میں شریک نہ ہونا چاہیے چونکہ فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں، خاص لوگ یہ پتا لگا کر شریک ہو سکتے ہیں کہ کانگریس کیا تقریر کرتے ہیں اور کیا پاس کرتے ہیں تا کہ اس کا جواب دے سکیں۔

علماء اہلسنت کی کوششوں سے پاکستان بنا[99]۔ ریفرینڈم Refferendum کے وقت علماء اہلسنت کی کاوشوں سے نتیجہ یہ نکلا کانگریس اپنے علاقوں میں صرف 2% ووٹ حاصل کر پائی۔ دوسری طرف سرحد میں حضرت پیر آف مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ پیر شائستہ گل رحمۃ اللہ علیہ، پیر صاحب زکوڑی شریف نے بھرپور کام کیا اور یہ تحریک اپنے منطقی نتیجے پر پہنچی

---

(۱۵) عارف کامل پیر سید مہر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف گولڑہ شریف سے کسی نے کانگریس میں شامل ہونے کے متعلق فتویٰ پوچھا، اس کا جواب جو آپ نے تحریر فرمایا وہ فتاویٰ مہریہ میں درج ہے:

سوال: کیا مسلمان کو کانگریس میں شامل ہونا چاہیے یا نہ؟

جواب: مکرمی شاہ صاحب میری رائے میں یہ شمولیت اسلام کے برخلاف اور ناجائز ہے۔ (مخالفین پاکستان، ص ۲۷)

مفتی عبدالمتین کا مسلم لیگ کے بارے میں فتویٰ درج ذیل ہے:

(۱۶) سوال: مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہیے کہ نہیں؟

جواب: مسلمانوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینا ازبس ضروری ہے۔

(ہفت روزہ الفقیہ امرتسر، مجریہ ۷ تا ۱۴ جون ۱۹۴۷ء، ص ۱۰)

(۱۷) امیر ملت سید جماعت علی شاہ کا فتویٰ ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو روزنامہ "وحدت" دہلی میں حضرت امیر ملت قدس سرہ نے اپنے فتوے کا اعادہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: میں فتویٰ دے چکا ہوں کہ جو مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ نہ دے اس کا جنازہ نہ پڑھو اور مسلمانوں کی قبروں میں دفن نہ کرو فقیر اپنے فتوے کا پھر اعادہ کرتا ہے کہ جو مسلم لیگ کا مخالف ہے خواہ کوئی ہو اگر وہ مرجائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے، نہ مسلمانوں کی قبروں میں دفن کیا جائے"۔

[99] ایک غیر جانبدار مؤرخ ڈاکٹر قریشی نے بھی اس کا اقرار کیا کہ "جب کہ اہلسنت کے بیشتر علماء نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی اور شاہ عبدالعلیم صدیقی، مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، سید محمد محدث کچھوچھوی، پیر صاحب مانکی، مولانا ابوالحسنات قادری پیش پیش تھے۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۳۰)

اور ۱۳/ اگست رات 12:00 بجے اعلان ہوا کہ یہ ریڈیو پاکستان (Radio Pakistan) ہے اور یوں پاکستان بن گیا۔ چودہ اگست انگریزی تاریخ تھی اور کیا آپ جانتے ہیں کہ چاند کی کیا تاریخ تھی ؟ اللہ اللہ ! جس رات پاکستان بننے کا اعلان ہوا بر صغیر میں اس وقت شب قدر منائی جارہی تھی۔ رمضان کی ۲۷/ ویں شب تھی اور بر صغیر ہندوستان کی تقسیم اس شب میں ہوئی۔ اصل میں شب قدر پاکستان ملنے کی رات ہے، لیکن کیا کیا جائے۔ ہمارے یہاں اچھے بھلے پڑھے لکھے آدمی کو چاند کے بارہ مہینے یاد نہیں۔ کیونکہ سارا نظام انگریزی معاملات کے تحت چل رہا ہے۔ ہمیں صرف 14 اگست ہی یاد رہی۔

اب یہ سوال کہ پاکستان بننے کے بعد بانی پاکستان نے سب سے پہلی نماز عید کہاں ادا کی ؟ مسجد قصابان ایم اے جناح روڈ جامع کلاتھ مارکیٹ کے سامنے عید گاہ میں بانی پاکستان نے عید کی نماز پڑھی۔ نماز کس نے پڑھائی ؟ کسی دیوبندی نے ؟ شبیر احمد عثمانی نے ؟ مولانا مودودی نے ؟ مفتی محمود نے ؟ یا مولوی فضل الرحمٰن نے ؟ نماز عید علامہ عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اس کے دستاویز اور فوٹو ہمارے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ جناح صاحب، لیاقت علی خان بڑے بڑے قومی لیڈر بیٹھے ہوئے ہیں اور خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی خطبہ فرما رہے ہیں۔ عزیزان گرامی ! غور کریں پاکستان بننے کے تین دن کے بعد بھی بانی پاکستان نے نماز عید اہلسنت کے امام کے پیچھے پڑھی [100]۔

---

[100] اس کے علاوہ ہمیں تاریخ سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ محمد علی جناح نے مولانا عبد العلیم صدیقی کے بڑے بھائی کی اقتداء میں بھی نماز ادا کی، چنانچہ گل محمد فیضی لکھتے ہیں: "۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ الگ اسلامی ملک کا آئین اسلامی ہو گا اور جب اجلاس نماز کے لیے ملتوی ہوا تو حضرت قائد اعظم نے کُل ارکان

لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان بنانا ایک معاشی مسئلہ تھا اسلام کی خاطر پاکستان نہیں بنا[101] جیسا کہ 70ء میں کسی نے اخبار میں یہ بیان دیا کہ جناح صاحب نے پاکستان اس لیے بنایا کہ یہاں

مسلم لیگ کی معیت میں مقامی مسجد کے خطیب (جو سنی بریلوی تھے) کی اقتداء میں نماز ظہر ادا کی، اسی طرح بمبئی میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں مولانا نذیر احمد خجندی کی اقتداء میں ادا کیں، مولانا خجندی مرحوم مولانا عبد العلیم میرٹھی کے بڑے بھائی تھے اور دونوں بھائی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کے مریدانِ باصفا تھے"۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، تحریک پاکستان اور علماء و مشائخ اہلسنت، مجریہ اگست ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۴)

[101] اسی بات کا جواب دیتے ہوئے پروفیسر رحیم بخش شاہین لکھتے ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تحریک پاکستان کے محرکات میں معاشی و سیاسی مسائل کو اہمیت حاصل تھی اس میں کوئی شک نہیں معاشی میدان میں ہندو اور مسلمان اقوام میں بعد المشرقین تھا، ہندو اپنی ساہوکاری اور کاروباری ذہنیت کی بناء پر ملک کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے تعلیمی لحاظ سے ترقی یافتہ ہونے کی بناء پر سرکاری ملازمتوں پر بھی اُن کا ہی غلبہ تھا اور یہ لوگ بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو معاشی لحاظ سے تباہ کرنا چاہتے تھے، اس کا صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے وجود کو ہندوستان کی سرزمین پر برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔

اسلام کے سیدھے سادھے، عام فہم اور قابل عمل اصول، ہندومت کے گورکھ دھندے اور ازکار رفتہ سماج کے لیے ایک مستقل چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے، گویا معاشی اور سیاسی اختلافات دراصل سطحی ہیں جو مذہبی اور نظریاتی اختلافات کا نتیجہ ہیں، ہندوؤں کا مقصد مسلمانوں کو محض معاشی اور سیاسی لحاظ سے مفلوج کرنا نہیں تھا بلکہ مذہبی لحاظ سے ان کے وجود کو ہمیشہ کے لیے تحلیل کرنا تھا اور وہی عمل دہرانا تھا جس کی مدد سے ہندوؤں نے مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں آنے والے غیر ملکی حملہ آوروں اور مقامی آبادی کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا، لیکن اس مرتبہ ہندوؤں کو ایسے نظام زندگی سے پالا پڑا جو بہت سخت جان ہے جو دنیا کے تمام نظاموں سے بالاتر ہے جو ہر اعتبار سے کامل ہے، جو دورِ جدید کے تمام حقائق و مسائل پر پوری جامعیت سے حاوی ہے، جو دوسرے مذہبوں اور تہذیبوں کو اپنے اندر جذب تو کر سکتا ہے لیکن اُن کے اندر جذب ہو کر اپنے علیحدہ وجود سے دستبردار نہیں ہو سکتا (یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد بھارت نے اپنے مسلمان باشندوں کو جذب کرنے کی کوشش کی وہ حسب سابق ناکامی سے دوچار ہوئی)۔ حقیقت

سوشلزم Socialism نافذ ہو، کوئی کہتا ہے جناح صاحب سیکولرازم کے حامی تھے۔[102] یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ حقیقت یہ ہے پاکستان مسلمانوں کے لیے بنا۔ اسلامی نفاذ کے لیے بنا، اور تاریخ گواہ ہے خود جناح صاحب نے بھی بارہا اس عزم کا اعادہ کیا[103] مگر مجھے کہنے دیجیے کہ

یہ ہے کہ مسلمان جس مذہب کے پیرو کار ہیں، وہ کوئی قومی، وطنی یا نسلی مذہب نہیں ہے بلکہ مجلہ مادی امتیازات سے ماوریٰ تمام نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کا داعی ہے، اس لیے جو شخص اس کا حلقہ بگوش ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی خطۂ ارض سے تعلق رکھتا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، کسی نسل سے ہو وہ ایک نئی قوم یا ملت کا فرد بن جاتا ہے، جو اللہ کی حاکمیت اور انسانی اخوت و مساوات پر یقین رکھتی ہے، جب برصغیر میں پہلا مسلمان وارد ہوا تو اپنے ساتھ یہی انقلابی اصول لے کر آیا اور جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تو اس کی ذات میں یہی انقلاب برپا ہوا۔ ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ، اجلاس لاہور میں قرارداد کی منظوری اور پاکستان کے حصول کی جدوجہد اس انقلاب کا منطقی نتیجہ ہے۔ (ماہنامہ ضیاء حرم، لاہور، قیام پاکستان کی جدوجہد، مجریہ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ/ اگست ۱۹۸۷ء، ص ۶۶۔۶۷)

102 محمد علی جناح سیکولرازم کی حامی نہ تھے: قائداعظم کے معتمد ساتھی اور مشہور مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی اس کی تردید کی ہے چنانچہ ہفت روزہ افق کے سابق ایڈیٹر حاجی احمد مجاہد کو ڈاکٹر صاحب نے ایک انٹرویو دیا ہفت روزہ افق کی اشاعت ۱۹/ مارچ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا، اس میں ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ "قائداعظم کبھی سیکولرازم کے حامی نہیں رہے اور قیام پاکستان کے بعد اُن کی جس تقریر کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ دستور ساز اسمبلی میں ہوئی اور میں خود اس میں موجود تھا، انہوں نے کہا تھا کہ آزاد ملک کے شہری کی حیثیت سے آپ اس ملک میں موجود ہیں، تو شہری کی حیثیت سے ہر ایک کے حقوق برابر ہیں، چاہے آپ کسی بھی مذہب کے پیرو کار کیوں نہ ہوں اور اس بنیاد پر دستور میں کوئی مشق ایسی نہیں ہوگی جس سے کسی کو نقصان پہنچے۔

(دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو ۲، ص ۲۹)

103 محمد علی جناح اور نفاذ شریعت کا عزم:

اس پاکستان میں اسلام کا جتنا مذاق اڑایا گیا کسی اور مذہب کا نہیں اڑایا گیا۔ پاکستان جب بن گیا بننے کے بعد اپنے وعدے کے مطابق یہ مسلم لیگ گورکھ دھندا کرنے والوں کا ٹولہ بن گئی۔ مسلم

۱۔ اس کے بارے میں ہم سب سے پہلے اس شخص کی گواہی پیش کرتے ہیں جو قائداعظم کے معتمد ساتھی اور عالمی شہرت رکھنے والا مؤرخ ہے یعنی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی شہادت اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا "قائداعظم ہمیشہ اسلام کا نام لیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ پاکستان ہم اس لیے چاہتے ہیں کہ اس کو ہم اسلام کی تجربہ گاہ بنائیں گے اور یہ ثابت کر سکیں گے کہ اسلام کے اصول اس بیسویں صدی میں بھی ایسے قابل عمل ہیں جیسے ابتداء میں تھے۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو ۲، ص ۲۹)

۲۔ اور پھر ۲۴ر نومبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی جناح نے خانقاہ مانکی شریف (صوبہ سرحد) میں علماء کرام اور مشائخ عظام کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "آپ نے سپاس نامے میں مجھ سے پوچھا ہے کہ پاکستان کا قانون کونسا ہوگا؟ مجھے آپ کے اس سوال پر سخت افسوس ہے (یاد رہے کہ یہ سپاس نامہ میاں عبدالکریم نے علماء و مشائخ اہلسنت کی جانب سے پیش کیا تھا) کہ آپ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا، میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان کا ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن ہے، یہی قرآن مسلمان کا قانون ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے ہمیں ملا ہے، یہی قرآن ہمارا قانون ہے اور بس (نعرہ تکبیر اللہ اکبر، پاکستان زندہ باد) (پیر صاحب مانکی شریف اور ان کی سیاسی جدوجہد، ص ۳۲) (قائداعظم اور سرحد، ص ۱۴۵)

۳۔ پاکستان بننے کے بعد بانی پاکستان کے ایک قول کو بھی ملاحظہ فرمائیے، چنانچہ محمد صادق قصوری لکھتے ہیں: ۱۹۴۸ء میں اسی دوران میاں افتخار الدین (م ۱۹۶۲ء) نے اسلامی شولزم کا نعرہ لگایا تو آپ نے (یعنی مولانا عبدالستار نیازی نے) ڈٹ کر مقابلہ کیا حتیٰ کہ حضرت قائداعظم نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ "کمیونسٹ، ملک میں انتشار پیدا کر رہے ہیں، یاد رکھیے پاکستان میں اسلامی شریعت نافذ ہوگی"۔

(حیات خدمات تعلیمات مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، ص ۱۰۴)

لیگ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا کہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ ہو[104] اور بڑے بڑے لیڈروں نے کیا کہا؟ وہ یہ کہ پیر آف مانکی شریف، پیر شائستہ گل، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ جب لیڈران کے پاس آئے کہ پوچھیں پاکستان تو بن گیا اسلام کہاں ہے؟ تم تو یہ کہتے تھے کہ پاکستان اسلام کے لیے بنا ہے، اسلامی نظام آئے گا لیکن اسلامی نظام کہاں ہے؟

لیڈروں نے جواب دیا:

104 حالانکہ "۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے اجلاس میں پٹنہ میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ الگ اسلامی ملک کا آئین اسلامی ہو گا"۔ (ماہنامہ ضیاء حرم، لاہور، مجریہ اگست ۱۹۸۹ء ص ۱۲۶) اور بانی پاکستان نے متعدّد بار اس ارادے و عزم کا اظہار بھی کیا تھا۔

اور پھر کثیر تعداد میں علماء و مشائخ اہلسنت اور عوام اہلسنت نے لیگ کے شانہ بشانہ کام بھی اسی لیے کیا تھا قربانیاں صرف اس لیے دی تھیں کہ ہمیں ایک ایسا وطن حاصل ہو جائے کہ جس میں قرآن و سنت کا نظام ہو، اس جدوجہد میں شامل صرف علماء اہلسنت کی تعداد بائیس ہزار (۲۲۰۰۰) سے زیادہ تھی کہ جن کے ناموں کا ریکارڈ آل انڈیا سنی کانفرنس کے مرکزی دفتر مراد آباد میں موجود تھا جو تقسیم کے وقت نہ جانے کیسے ضائع ہو گیا یہ تعداد تو وہ ہے جن کے صرف نام محفوظ تھے، ان کے علاوہ نہ جانے کتنے علماء و مشائخ اہلسنت ہوں گے جن کے نام اس میں درج نہ ہو سکے جو اس جدوجہد کا حصہ تھے۔

قارئین کرام اس سے یہ بھی سوچئے کہ دیوبند مسلک کے دو چار مولوی آگئے ان کی بنا پر یہ لوگ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ پاکستان ہم نے بنایا اور وہ جن کی اتنی بڑی تعداد تحریک پاکستان میں شامل تھی اُن کا نام تک نہیں لیا جاتا، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ ۲۲ یا ۲۳ / جولائی ۲۰۰۷ء کو مولانا رفیع عثمانی نے اے آر وائی ون ورلڈ پر گفتگو کرتے ہوئے تحریک پاکستان کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے پاکستان بنانے میں صرف مسلم لیگ اور جمعیت علمائے اسلام کا نام لیا اور اُن میں بھی صرف مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد انصاری اور اپنے والد مفتی شفیع دیوبندی کا نام لیا، بتائیے یہ ظلم ہے یا نہیں، یہ حق کو چھپانا ہے یا نہیں، یہ قوم کو گمراہ کرنا ہے یا نہیں، یہ تاریخی خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟

"مولانا اسمبلی موجود ہے، اسمبلی جو پاس کرے گی وہی نظام بنے گا"۔

ہمیں بے وقوف بنایا گیا کہ اسلامی نظام ہوگا، لوگوں کو اسلامی نفاذ کی خاطر کٹوا دیا گیا۔ ایک دو نہیں بلکہ عزیزان گرامی پاکستان بننے پر 30 لاکھ جانیں ضائع ہوئیں کیا اس کا ثمر یہ ہے کہ یہاں اسلام کا مذاق اڑایا جائے؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں یہ بتائیے کہ یہاں ایک گھنٹے کے لیے بھی اسلامی قانون آیا؟ نہیں آیا۔ صدر ایوب رہے، اسلام آیا؟ نہیں آیا۔ سکندر مرزا رہے اسلام آیا؟ نہیں آیا۔ صدر ایوب صاحب کو جب لوگوں نے کہا ایوب کتا ہائے ہائے، ایوب کتا ہائے ہائے تو ایوب صاحب نے اپنا اقتدار چھوڑ کر دنیا کے بدترین پاگل کے ہاتھ میں اقتدار دے دیا۔ اس بیوقوف کا نام تھا جنرل یحیٰ۔ بقول شاعر

نام محمود ہے اور کام ہیں آزر جیسے

اس کی یہ مثال تھی۔ یوں کہیے کہ ایوب خان نے اپنی قوم سے بدلہ لیا۔ جب اقتدار یحیٰ خان کے حوالے کیا تو اتنا بڑا مشرقی پاکستان جو اسلام کے نام پر بچ سکتا تھا نہیں بچا، لیڈروں نے اسلام کے نام پر گفتگو نہیں کی۔ عصبیت پھیل گئی۔ قسم خدا کی وہ قتلِ عام ہوا کہ پاکستان بنتے وقت اتنا قتلِ عام نہیں ہوا جتنا قتلِ عام بنگالیوں کا بنگلہ دیش میں ہوا اور یقیناً ان پر بے انتہاء ظلم کیے گئے۔ پیپلز پارٹی کے گورنر پنجاب ٹکہ خان، وہ کہتے تھے کہ بنگال میں ہمیں آدمی نہیں زمین چاہیے۔ نہ آدمی رہا نہ زمین رہی۔ آپ نے دیکھا نہ وہاں پاکستانی رہا نہ وہ زمین رہی۔ اس فوجی ایکشن کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اسلام سے غداری کی تو جیالے اور جوانمرد 93,000 ترانوے ہزار فوج ہندوؤں کے شکنجے میں آگئی۔ ہندو جسے خدا کہے یعنی گائے اسے تو ہم کھا جائیں تو ہندو

کا کیا حال کریں گے ؟لیکن اسلام کی دوری نے ہمیں یہ دکھادیا کہ 93,000فوج ہندوؤں کے نرغے میں آگئی اور انہیں قید کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھ سے نکل گیا۔

پاکستان کٹنے کے بعد کیا ہم نے اپنی حالت سدھاری ؟نہیں نہیں !!بلکہ ہم اپنا قیاس کرتے ہیں کہ جس وقت مشرقی پاکستان گیا اور یحییٰ خان جب قوم سے خطاب کررہے تھے کیا وہ تقریر آپ نے سنی ؟وہ شراب کے نشہ میں دھت تھا اور کہتا تھا کہ ایک بارڈر Border سے ہٹنے کا نام یہ نہیں کہ ہم نے جنگ ہار لی۔ نشے میں اس سے بولا نہیں جارہا تھا بلکہ بکرے کی طرح چیخ رہا تھا جنگ جاری ہے، جنگ جاری ہے جس طرح بکرے کا گلہ پکڑا جائے تو جیسے وہ ٹیں ٹیں کرتا ہے ہمارا پاکستان کا صدر شراب کے نشے میں دھت پورے بنگال کے سقوط کا اعلان کررہا تھا اور کوئی شخص اسے شرم اور غیرت دلانے پر آمادہ نہ تھا۔ مجھے بتاؤ یہ کس کے ثمرات ہیں کہ ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا تو یہ ساری چیزیں ہمارے حصے میں آگئیں۔

اب کان کھول کر سن لو!تمھارے گھروں میں VCR چلتا رہا، انڈین فلمیں چلتی رہیں، بلو پرنٹ کی دکانیں اسی طرح مرقع اور مسجع رہیں بے ایمانی کا رواج اسی طرح رہا۔ رشوت کا رواج اسی طرح رہا۔ دین کو اسی طرح پامال کیا گیا۔ شریعت کو اسی طرح پس پشت ڈال دیا گیا۔ حق اور صداقت مفقود ہو کر رہ جائے۔ ایمان داری، دیانت داری، اپنا سر پکڑ کر رہ جائے۔ لیڈروں کو سوائے اپنے مفاد کے کوئی اور فکر نہ ہو۔ لیڈروں کو اسلام سے زیادہ اپنی کرسی کی فکر ہو جائے اور اسلام نافذ کرنے کی حکمت عملی ہی کی تلاش رہے۔ اب انتظار کرو کہ رب کا عذاب کب آتا ہے؟ اب انتظار کرو پاکستان کب ٹوٹتا ہے۔ اب انتظار کرو کہ پاکستان کیسے جائے گا؟ آپ پولیٹیکل برانچ، CIA، پولیس افسران سے معلومات کرلیں کہ کیا اس مملکت میں بانی پاکستان

کے مزار کے سامنے کیا پاکستان کا جھنڈا نہیں جلایا گیا ؟ سکھر ایئر پورٹ پر کیا پاکستان کے جھنڈے کو آگ نہیں لگائی گئی ؟ کیا پاکستان کے جھنڈے کو پیروں تلے روندا نہیں گیا؟ کیا اس پاکستان میں پاکستان مردہ آباد کے نعرے نہیں لگے ؟ کیا سندھ کو الگ کرنے کا نعرہ نہیں لگا؟ ہندوستان کا وہ حصہ جو پاکستان سے ملا ہوا ہے کیا وہاں بھارتی سکہ نہیں چل رہا؟ کیا ہندو جو اپنی جائیداد چھوڑ کر گئے کیا وہ سندھ کے راستے پاکستان داخل نہیں ہو رہے ؟

اس ملک میں جو وزیر اعظم یا صدر کے عہدے پر رہے ان سے پوچھو تم نے اسلام کی خدمت کیا کی ؟ ایک دور میں جب شریعت بل کا نفاذ ہوا تو کون سی انقلابی تبدیلی کا پاکستان میں آگئی ؟ کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ معلوم ہوا کہ دین اور شریعت کے ساتھ ایک ٹھٹھہ اور تمسخر ہو رہا ہے۔ سنو! ہم علماء اس بات کے متمنّی ہیں کہ ہم اقتدار کی کرسی پر صرف نظام مصطفیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ مسلم لیگ کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے پاکستان بنایا ہے، اگر آپ نے پاکستان بنایا تو یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو آخری موقع دیا ہے۔ خدا کے واسطے !اس مملکت میں اسلام کا نفاذ کرو۔ خدا کے لیے شریعت محمدی یہاں لے آؤ۔ خدا کے لیے جو وعدہ قوم سے کیا ہے۔ اس کو پورا کرو ورنہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے اور کہیں ملک کا حال وہ نہ بن جائے جو اکبر الہ آبادی نے کہا کہ:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اگر یہی معاملہ عروج پر پہنچے تو لوگ کہیں گے کہ تھانیدار صاحب! ایف، آئی، آر درج کرانی ہے۔ ایف آئی آر یہ ہے کہ یہ ہیں وہ تین محلہ کے آدمی جو مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں، اب تو

اللہ کو یاد کرنے والے کی رپٹ درج ہوگی۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اسلام کے نفاذ کے لیے بنا لیکن ہم نے، ہمارے لیڈروں نے اس سے غداری کی ہے۔ اگر اس کو بچانا چاہتے ہو تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ یہاں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نفاذ ہو، حکمرانوں کی نیتیں صحیح ہوں۔ ارباب حل و عقد خلوص کے ساتھ اس مملکت کی خدمت کریں اور ہمارا ملک ایسے قانون کا گہوارہ بن جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ نہر کے کنارے کوئی کتا پیاسا مر گیا تو عمر کو یہ فکر ہے کہ کل اللہ تعالیٰ قیامت میں مجھ سے پوچھے گا کہ عمر تیری حکومت میں کتا پیاسا مر گیا اور حکومت کی گرفت لوگوں پر ایسی مضبوط ہو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت میں ایک ناتواں کمزور عورت سونے کا ڈیلا ہاتھ میں اچھالتی ہوئی حضرت عمر کی حکومت میں حکومت کے ایک سرے سے حکومت کے دوسرے سرے تک چلی جائے تو اس کے ہاتھ کو پکڑنے والا کوئی نہ تھا۔ ایسا قانون کا دبدبہ ہو تو جناب پھر پاکستان چل سکتا ہے اور اس کے بغیر پاکستان نہیں چل سکتا اور آپ کو بھی خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہوں اگر ہم نے اپنی روش تبدیل نہیں کی اور ہماری روش تبدیل کرنے میں حکومت کا کوئی دخل نہیں، مجھے بتائیے کہ ہم حکومت سے تو کہتے ہیں کہ اسلامی نظام لاؤ لیکن آپ کو جب حکومت کہے گی تب آپ نماز پڑھیں گے؟ جب حکومت بولے گی تب آپ سچ بولیں گے؟ حکومت کہے گی تب آپ روزہ رکھیں گے؟ جب حکومت کہے گی تب آپ عید کی نماز پڑھیں گے؟ ارے 195 اسلامی دفعات ایسی ہیں جو خود آپ اپنے اوپر نافذ کر سکتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے حال کی اصلاح فرمائے اور وہ پاکستان جس کا سنگ بنیاد 30 لاکھ مسلمانوں کی قربانیوں پر رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس پاکستان کی حفاظت فرمائے اور اس کو اسلام کا گہوارہ بنائے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

☆☆☆

یادداشت